REGISTERED WITH THE REGISTRAR OF NEWSPAPERS
FOR INDIA AT NO. R.N. 61/57.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

REGD. NO. P. 67.

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

جلد ـــ ۲۱
ایڈیٹر:- محمد حفیظ بقاپوری
نائب ایڈیٹر:- جاوید اقبال اختر۔

شمارہ ـــ ۴۳
شرح چندہ
سالانہ ۱۰ روپے
ششماہی ۵ روپے
ممالکِ غیر ۲۰ روپے
فی پرچہ ۲۵ پیسے

ہفت روزہ بدر قادیان

THE WEEKLY BADR QADIAN.

۱۷ رمضان ۱۳۹۲ ہجری | ۲۶ اخاء ۱۳۵۱ ہش | ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۲ء

اخبارِ احمدیہ

قادیان ۲۴ اخاء (اکتوبر)۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے متعلق ۱۷ اخاء کی رپورٹ مظہر ہے کہ حضور انور کی طبیعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے الحمدللہ۔

★ ـــ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ تازہ اطلاع جامعہ احمدیہ ربوہ کے فارغ التحصیل مکرم مولوی محمد یوسف صاحب یوسن آف غانا کی زبانی موصول ہوئی جبکہ موصوف ۱۸ اکتوبر کو پاسپورٹ پر قادیان تشریف لائے۔ جامعہ احمدیہ ربوہ میں تکمیلِ تعلیم کے بعد اب عنقریب وہ اپنے وطن غانا بسلسلہ تبلیغِ اسلام جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تائید کرے۔

قادیان ۲۴ اخاء۔ محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہُ اللہ مع اہل وعیال بفضلہٖ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ الحمدللہ۔

★ ـــ رمضان شریف میں درس وتدریس کے جملہ پروگرام جاری ہیں۔ تیسرے نمبر پر مکرم مولوی بشارت احمد صاحب بشیر مدرس مدرسہ احمدیہ درس دے رہے ہیں۔ احباب وخواتین سب پروگراموں میں ذوق وشوق سے شریک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو رمضان شریف کی برکات سے متمتع فرمائے آمین۔

دارالہجرت ربوہ کی زیارت کے بعد

امریکن پروفیسر جناب ڈاکٹر سپنسر لیون کی قادیان میں آمد

آپ ایشیائی مذاہب کے بارہ میں تحقیق کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے تشریف لائے

جماعت احمدیہ کی بین الاقوامی حیثیت اعلیٰ کارکردگی اور جذبۂ ترقی کا اعتراف

(مرتبہ مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز بی۔ اے۔ ناظر جائداد قادیان)

امریکن پروفیسر جناب ڈاکٹر سپنسر لیون، امریکہ سے ربوہ کی زیارت کے لئے پہنچے۔ ایک ماہ قبل ہندوستان وارد ہونے پر موصوف نے بمبئی سے حضرت امیر صاحب مقامی قادیان کے نام اپنے ایک خصوصی خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ میں امریکہ سے جماعت احمدیہ کے ہر دو مراکز کی زیارت کی غرض سے آرہا ہوں۔ ربوہ کی زیارت کر چکا ہوں اور عنقریب قادیان بھی آنا چاہتا ہوں۔ اس کے چند روز بعد آپ نے دہلی سے ایک دوسرے خط کے ذریعہ مزید توثیق کی غرض سے خط لکھا۔ لیکن افسوس کہ اس کے جواب میں ہمارا خط موصوف کو نہ مل سکا۔ بمبئی سے آمدہ خط میں مکرم ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ میں بٹالہ بیرنگ کالج میں قیام کرنے کے بعد قادیان پہنچونگا۔ چنانچہ بتاریخ ۱۶ اکتوبر اچانک بٹالہ سے اطلاع ملی کہ مکرم پروفیسر صاحب بٹالہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ اور کل دو بجے دوپہر قادیان پہنچیں گے۔ اس موقعہ پر چند دوستوں سے خواہش کی گئی کہ وہ معزز مہمان کی تشریف آوری پر انہیں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرانے اور سلسلہ کے بارہ میں ان کی مطلوبہ معلومات بہم پہنچانے کی خدمت بجالائیں۔ مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز کو جماعت کی طرف سے سپوکس مین کی ڈیوٹی لگائی گئی جسے موصوف نے عمدگی سے ادا کیا۔ مکرم شیخ صاحب کے ساتھ حسبِ موقعہ دیگر دوسرے ممبران کو بھی اس قسم کی خدمات بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی ـــ قادیان سے بہت دور دراز واقع براعظم امریکہ سے تشریف لانے والے ہمارے اس معزز مہمان کی تشریف آوری سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ شہرۂ آفاق پیشگوئی کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" بطریق احسن بھی پوری ہوئی۔ اور ساتھ ہی آپ کے وجود سے یاتیک من کل فج عمیق کی عظیم پیشگوئی بھی ایک بار پھر پورا ہوتے ہوئے مشاہدہ کرکے مومنوں کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہوئی۔ چنانچہ محترم پروفیسر صاحب سے گفتگو کے موقعہ پر جب حضور علیہ السلام کے اس الہام کا ذکر کیا تو اسے سن کر آپ مسکرائے اور اس عظیم القدر الہام کے بارہ میں واقف و آگاہ ہونے کی تصدیق کی ـــ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جس طریق سے دنیا کے اکناف میں بسنے والے ذی علم افراد کی توجہ کو جماعت کی طرف مبذول کر رہا ہے اور اندر ہی اندر قلوب میں جو خوشگوار تبدیلی عمل میں آرہی ہے، اللہ تعالیٰ جماعت کی تبلیغی مساعی میں اور زیادہ برکت ڈالے اور سبھی کارکنان اور مبلغین کو بڑھ چڑھ کر خدمت واشاعتِ دین کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فضل سے اُسے قبول بھی فرمائے۔ مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز کی مرتب کردہ مفصل رپورٹ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

خاکسار: مرزا وسیم احمد ناظر دعوت وتبلیغ قادیان

قادیان ۱۷ اکتوبر۔ امریکن پروفیسر جناب ڈاکٹر سپنسر لیون (Spencer Lewon) (ٹفٹس یونیورسٹی (TUFTS) نزد بوسٹن) امریکہ میں ریلیجس سٹڈیز کے پروفیسر ہیں۔ آج جب ٹھیک دو بجے محلہ احمدیہ میں کار کے ذریعہ تشریف لائے تو مہمان خانہ کے گیٹ پر محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی و ناظر اعلیٰ قادیان کی زیر قیادت مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم اے۔ مکرم چوہدری سعید احمد صاحب بی اے۔ مکرم منظور احمد صاحب سوز۔ مکرم چوہدری فیض احمد صاحب، مکرم مولانا محمد ابراہیم صاحب اور خاکسار نے گیٹ مہمانخانہ پر انہیں خوش آمدید کہا۔ پروفیسر صاحب موصوف کے ہمراہ بیرنگ کالج بٹالہ کے پروفیسر جان ویبسٹر ہیڈ آف ہسٹری ڈیپارٹمنٹ مسز جان ویبسٹر اور مسٹر ٹام سیکولو (امریکن طالب علم بی اے فائینل بیرنگ کالج بٹالہ) بھی تھے۔

معزز مہمانوں کو احمدیہ مہمان خانہ کے کمرہ استقبالیہ میں بٹھایا گیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب بھی اطلاع ملنے پر تشریف لے آئے اور گفتگو شروع ہوئی۔ گفتگو کی ابتداء ہی سے اس امر کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر سپنسر صاحب بہت زیرک اور جلد از جلد بات کی تہہ تک پہنچنے کی اہلیت رکھنے والے ہیں۔

آپ نے پہلا سوال یہ کیا کہ تقسیم ملک کے وقت قادیان میں کس قدر احمدی موجود رہے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ اُن غیر معمولی ایام میں صرف تین سو تیرہ مرد یہاں ٹھہرے تھے جو سب کے سب مجرد تھے۔ حالات کے تقاضا کے تحت اس وقت خواتین کا قیام ممکن ہی نہ تھا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ بعد میں حالات کے کسی قدر نارمل ہو جانے پر بعض فیملیز پرمٹ پر اور بعض پاسپورٹ پر یہاں آئیں جنہیں ہماری حکومت نے شہریت دے دی اور ۳۱۳ [illegible] میں سے بہت سے افراد کی شادیاں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ہوئیں۔

ڈاکٹر صاحب نے [illegible] سوال [illegible] کی جائدادوں کے متعلق [illegible] معلوم ہوتا تھا کہ انہیں اس [illegible] علم ہے۔ البتہ وہ [illegible] جاننا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہیں ۱۹۵۱ء کے [illegible] کے نوٹس کے جواب میں صدر انجمن احمدیہ [illegible] بتایا گیا۔ اور یہ بھی بتایا گیا کہ اس وقت انجمن کی جو

(باقی دیکھئے ۱۱ پر)

ملک صلاح الدین ایم اے پرنٹر وپبلشر نے راما آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔ پروپرائیٹر صدر انجمن احمدیہ قادیان۔

ہفت روزہ بدر قادیان
مورخہ ۲۶ اخاء ۱۳۵۱ ہش

مغربی اقوام کی ترقی
اور
مسلمانوں پر زوال طاری رہنے کی وجوہات

"مغربی قوموں کی ترقی کو دیکھ کر اکثر دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام موجودہ دور کے مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی اور ان کی ضروریات کی کفالت سے قاصر ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پوری مسلمان قوم پر کیوں زوال طاری ہے اور وہ ہر شعبۂ زندگی میں انحطاط میں کیوں مبتلا ہے ؟"

یہ ہے وہ اہم سوال جس کا تجزیہ رسالہ معارف اعظم گڑھ کے ایڈیٹر صاحب کی طرف سے کیا گیا اور بدر کی اسی اشاعت میں روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے حوالے سے دوسری جگہ نقل کیا گیا ہے۔ ہر شخص کا اندازِ بیان اپنا اپنا ہے۔ اس مسئلہ پر ایڈیٹر صاحب موصوف نے جس طریق پر نظر کی ہے اس کی بعض تفصیلات سے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن نقطۂ مرکزی ایک ہی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے نمبر پر یہ بات خاص طور پر ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ تنزل اور انحطاط کے سبب اسلام کی کاملیت پر کسی طرح کا حرف نہیں آ سکتا۔ یہ ایک پکی اور سچی بات ہے کہ اسلام نہ صرف دورِ حاضرہ کے تمام مسائل کا بہترین حل اپنے اندر رکھتا ہے بلکہ تا قیامت جس قدر بھی مسائل دُنیا میں پیدا ہوتے رہیں گے وہ ان سب سے عہدہ برآ ہونے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے انحطاط اور تنزل کا بنیادی اور حقیقی سبب خود مسلمانوں کا اسلام سے بیگانہ ہو جانا ہے۔ جب مسلمان مسلمان ہی نہ رہے تو نہ ہی ان کے انحطاط اور تنزل کی ذمہ داری اسلام پر عائد ہوتی ہے۔ اور نہ ہی بگڑے ہوئے مسلمانوں کے اعمال و کردار کے سبب اسلامی تعلیمات کو محلِ اعتراض بنایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ساتھ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ کا وعدہ کر رکھا ہے مگر دوسری طرف اُسی خدا نے یہ بھی فرما دیا ہوا ہے کہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ۔ جب کسی قوم کے افراد ظالم بن جاتے ہیں تو خدا کی رحمت کے وارث بھی اُن کی نسبت بدل جایا کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب مسلمان بگڑے اور حقیقی اسلام سے دُور ہو گئے تو اُن کے ساتھ خدائی سلوک میں بھی فرق آ گیا۔ اس کی مثال بگڑے مزاج طالب علم کی ہے جو نہ اپنے گھر میں تعلیم کی طرف توجہ دیتا ہے اور نہ ہی سکول یا کالج کی کلاسوں میں حاضر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود نتیجہ کے وقت غل مچاتا ہے کہ مجھ سے فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے والوں کا سا معاملہ نہیں کیا گیا حالانکہ یہ اس کی اپنی بھول ہے اس میں نہ کسی تعلیمی ادارہ کی غلطی ہے۔ اور نہ نمبر دینے اور شمار کرنے والوں کی کوئی خطا۔

پس مسلمان آج اپنے اعمال و کردار میں درستی پیدا کریں، اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھال لیں۔ وہ دیکھ لیں گے کہ دُنیا اُن کے پیچھے اس طرح بھاگی پھرے گی جس طرح اُنہی کے اسلاف کے بارے میں مشاہدہ ہو چکا۔ اس لئے ہر وہ مسلمان جس کو مغربی اقوام کی ترقی کے مقابلہ میں اپنا زوال دیکھ کر رنج ہوتا ہے اس کا فرض ہے کہ زیادہ پریشان ہونے سے پہلے مسلمانوں کی بڑی غلطی کا سرا اسی جگہ تلاش کرے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس کی نشان دہی ایڈیٹر صاحب "معارف" نے قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں کی ہے، لکھتے ہیں:-

"دین و دنیا دونوں کی بھلائی ایمان اور عملِ صالح پر منحصر ہے۔ جب تک مسلمانوں میں یہ وصف رہا خدا کا وعدہ پورا ہوا۔ اسلام نے اُن میں ایسی رُوح اور خدا کی راہ میں جانبازی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے اس دَور کی سب سے بڑی ایران اور روم کی حکومتوں کا تختہ الٹ دیا اور ان کے ملک کے وارث بنے۔"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۰/۹/۷۲ صفحہ ۴ بحوالہ معارف)

یہی وہ نکتۂ مرکزی ہے جس سے مسلمانوں کی تمام ترقیات اور سربلندیاں دینی ہوں یا دنیوی وابستہ ہیں۔ سچ جانو تو مسلمانوں کی موجودہ ذلت و نکبت کا باعث بھی ایمان میں کمزوری اور اس کے مناسب حال اعمال کا فقدان ہے۔ علماء زمانہ و قومی لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس طرف خاص توجہ دلائیں۔

مرض کی صحیح تشخیص یہی ہے۔ مسلمانوں کے انحطاط اور تنزل کی دکھتی رگ یہی ہے۔ اس کا علاج ہو جائے تو سب مسلمانوں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ وقت میں مغربی اقوام کی حیرت انگیز ترقی باعثِ تعجب نہیں۔ بلکہ باعثِ تعجب مسلمانوں کی حالت ہے۔ جو ابھی تک اپنی زوال پذیر حالت کا صحیح رنگ میں جائزہ نہیں لے پائے اور جن کی نگاہیں اس حقیقت تک پہنچ گئی ہیں وہ اس بات کو بس علی سبیل التذکرہ ہی کہہ جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اس پر زور دیں۔ اور مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ اس اہم امر پر غور و فکر لگا دینے کی تلقین کریں ـــــ ماسوا اس کے مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہونا کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ خود مقدس بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر پہلے ہی بطور پیشگوئی مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے حالات کا نقشہ بیان فرما دیا تھا حتیٰ کہ اس دورِ تنزل کے ساتھ اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور دوسری بار اسلام کے عالمگیر غلبہ کی بھی خبر بڑے ہی وثوق اور حوصلہ افزائی کے انداز میں دے رکھی ہے۔ اور اس پُر مسرت دور کو امام مہدی اور مسیح موعود کے مبارک وجود کے ساتھ وابستہ قرار دیا ہے۔

تعجب کا مقام ہے کہ آج کے مسلمان اپنی ذلت و نکبت پر تو افسوس کرتے ہیں مگر اس ناگفتہ بہ حالت سے نکالنے والے پُر وثوق ذریعہ سے اعراض اور روگردانی کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا، انہیں لوگوں کے باپ دادے اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور اس کی سربلندی کے متعلق اپنی تمام امیدیں اسی مقدس وجود سے وابستہ کئے رہے، لیکن اپنی ہی بے بصیرتی کے سبب عین وقت پر ظاہر ہونے والے سچے امام مہدی کی شناخت سے محروم رہے۔ اور اسی حالت پر جب ایک لمبا وقت گزر گیا تو اُن میں سے بعض کے خیالات ایسے بدلے کہ ان کی زبانیں یہ کہنے لگیں کہ ـــــ "امام مہدی نہ آنا تھے نہ آئے۔" اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ان لوگوں کے خیالات میں اس نوع کی تبدیلی درحقیقت اس یاس و قنوط کا نتیجہ ہے جو مسلمانوں کی حالت کو دیکھ کر ان کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے۔ اس رنگ میں یاس و قنوط کا شکار ہونے والے کوئی عامی نہیں۔ بلکہ جید علماء اور خاصے عالم فاضل، جن کا مشغلہ قال اللہ و قال الرسول کا درس دینا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے دیتا تو وہ بخاری شریف سے سورت جمعہ کی آیت کریمہ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے تحت بیان شدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے جبکہ سلمان فارسی رضؓ پر ہاتھ رکھ کر حضورؐ نے فرمایا:-

لو کان الایمان عند الثریا لنالہٗ رجلٌ او رجال من ھؤلاء۔

زیادہ بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بات بالکل سیدھی سی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف لفظوں میں مسلمانوں کے دلوں سے ایمان اٹھ جانے اور پھر فارسی النسل افراد کے ذریعہ لا جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور آج مسلمان اسی کے فقدان کے سبب اس حالت کو پہنچے۔ اور اس وقت تک اسی حالت میں رہیں گے۔ بلکہ اس سے بھی ابتر حالت میں، جب تک اپنے دلوں میں زندہ اور سچا ایمان پیدا کر کے اپنے آپ کو تغیرِ عظیم کے لئے تیار نہیں کر لیتے۔

رہا یہ سوال کہ مغربی اقوام کیوں ترقی کر رہی ہیں ؟ تو اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں کہ وہ خدا کو پیاری ہیں یا یہ کہ ان کا نظریۂ حیات بمقابلہ اسلام کے فائق اور جامع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی ترقی کے اسباب مسلمانوں کی ترقی سے بالکل جداگانہ ہیں۔ ایک کو دوسرے پر ہرگز قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہی بات ہے کہ اسلام کی عظیم ترقی کو دُنیا ایک بار مشاہدہ کر چکی ہے۔ اب مسلمانوں پر تنزل کا دَور ہے۔ مگر یہ عارضی نوعیت کا ہے۔ اسلام کے دوسری بار ترقی پا جانے کی ایسی ہی پختہ، غیر متبدل پیشگوئیاں ہیں جیسا کہ عروجِ اسلام کے وقت اس کے تنزل پذیر ہو جانے کی پیشگوئیاں تھیں۔ پس جس طرح پہلے عروج کے بعد مسلمانوں پر تنزل اور انحطاط کا زمانہ آیا۔ ضرور ہے کہ اس دَورِ تنزل کے بعد دوسری بار عروج کا زمانہ بھی آوے !!

مغربی قوموں کی تاریخ، اسلامی تاریخ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ تو ابھی پہلی بار ہی اپنی وحشیانہ حالت سے ترقی کر کے سربلند ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی قوم ایسی نہیں جس نے ترقی کے مقام سے گرنے کے بعد دوبارہ عروج حاصل کیا ہو۔ ان کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے وحشیانہ حالت سے ترقی کرتے کرتے عُروج حاصل کر لیا۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک دفعہ ترقی حاصل کرنے کے بعد جب یہ لوگ بالکل گر گئے تو دوبارہ اپنی تدابیر سے انہوں نے ساری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اس کے ساتھ دوسرے نمبر پر یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رکھنے کی ہے کہ اگر کوئی قوم خالص دنیوی ذرائع سے کام لے کر ترقی کر جاتی ہے تو وہ وہی قوم ہوتی ہے جس میں نورِ الہام بند ہو چکا ہوتا ہے۔ جب تک کوئی قوم نورِ الہام سے دُور نہیں ہوتی اور وہ کسی سچے نبی کو جس کا زمانۂ نبوت جاری ہوتا ہے مان رہی ہوتی ہے اس وقت تک وہ قوم کبھی دوبارہ ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ کسی مامور کے ذریعہ سے اُسے ترقی نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی اقوام تو دنیوی اسباب و ذرائع کو کام میں لا کر ترقی کر گئیں کیونکہ اُن پر نورِ الہام بند ہو چکا ہے۔ لیکن مسلمان اس سچے دین سے وابستہ ہیں جو قیامت تک زندہ ہے۔

(باقی دیکھئے صفحہ ۹ پر)

خطبہ جمعہ

رمضان المبارک کے متعلق حضرت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات

اِس مہینہ میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور کثرت سے الٰہی برکات کا نزول ہوتا ہے

مگر ان رحمتوں کو وہی حاصل کرسکتا ہے جو نیک نیّت سے روزے رکھے اور اس کے جملہ لوازمات کو بجا لائے

از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہُ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز. فرمُودہ یکم ماہ فتح ۱۳۴۶ہش (یکم دسمبر ۱۹۶۷ء) بمقام مسجد مبارک ربوہ

سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:-

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ

(البقرہ: رکوع ۲۳)

پچھلے دنوں مَیں نے بتایا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ہماری توجہ اس طرف پھیری ہے کہ

قرآن کریم کامل ہدایت ہے

اور حکمتوں اور دلائل کے ساتھ اپنی بات منوانے والی کتاب ہے. اور اس پر عمل پیرا ہو کر نور اور فرقان انسان کو حاصل ہوسکتا ہے. کیونکہ یہ ایک کامل اور مکمل نور ہے. جو اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے سرچشمہ سے نکلا ہے. اور رمضان کا مہینہ اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی ہدایت اور اس کی حکمتوں اور اس کے فرقان سے زیادہ سے زیادہ حصہ لیا جاسکے.

آج میں رمضان کے متعلق

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات

اپنے دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں. امام بخاری لکھتے ہیں کہ ابوہریرہ رضؓ سے یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ.

یعنی اگر کوئی شخص نفلی یا رمضان کے روزے رکھتا ہے لیکن قولِ زور اور قولِ زور پر عمل چھوڑتا نہیں تو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس کا کھانا پینا یا بعض اور باتوں کو دن کے وقت چھوڑنا مقبول نہیں ہوگا. زُور کے معنے اَلْمَیْلُ عَنِ الْحَقِّ، حق اور صداقت سے پرے ہٹ جانے کے ہیں. اسی طرح مفرداتِ راغب نے زُور کے ایک معنے بُت کے بھی کئے ہیں. (وَیُسَمَّی الصَّنَمُ زُوْرًا) تو نبیؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص غلط اعتقادات کو چھوڑتا نہیں اور ان کا اپنی زبان سے اور اپنے عمل سے اظہار کرتا ہے اور غلط اعتقادات کے نتیجہ میں عملِ غیر صالح بجا لاتا ہے. ایسے شخص کا روزہ رکھنا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کھانا اور پینا چھوڑ دینا کوئی ایسی نیکی نہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کو مقبول ہو. اور اس کے نتیجہ میں وہ اس کی طرف متوجہ اور ملتفت ہو. اس میں نبیؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ رمضان کا مہینہ

نفسِ امّارہ کو کچلنے کیلئے

قائم کیا گیا ہے. یعنی رمضان کے روزے اور اس کی دیگر عبادات اس لئے فرض کی گئی ہیں اور اس میں بجا لانے والے نوافل اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ انسان نفسِ امّارہ کے حملوں سے نجات پائے اور انسان کا نفسِ امّارہ نفسِ مطمئنہ کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن پر رکھ لے. لیکن اگر رمضان کا مہینہ نفسِ امّارہ کے مارنے پر منتج نہیں ہوتا اس کے نتیجہ میں نفسِ امّارہ مرتا نہیں، بدی کی رغبت اسی طرح قائم رہتی ہے. انسان کی زبان اور اس کا دل اور اس کے جوارح پاک نہیں ہوتے تو اُسے بھوکا رہنے اور پیاسا رہنے سے کیا فائدہ. اگر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت انسان کو حاصل نہ ہو. اور

خدا تعالیٰ محبت اور پیار کے ساتھ

اس کی طرف ملتفت اور متوجہ نہ ہو.

یہاں جیسا کہ پہلے بزرگوں نے بھی یہی معنے کئے ہیں. حَاجَۃٌ کے معنی وہ نہیں جو اس وقت ہوتے ہیں جب یہ لفظ انسان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ حَاجَۃٌ کے معنے یہاں یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ اس کے روزوں کو قبول نہیں کرے گا. اور انسان کی طرف ملتفت نہیں ہوگا. پس روزے اس معنی میں کہ یہ نفس کے کچلنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں. اور شیطان کے حملوں سے انسان کو بچاتے ہیں ہمارے لئے بطور ڈھال کے ہیں. جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَجْھَلْ. فَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَہٗ اَوْ شَاتَمَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ مَرَّتَیْنِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِّیْحِ الْمِسْکِ یَتْرُکُ طَعَامَہٗ شَرَابَہٗ شَھْوَتَہٗ مِنْ اَجْلِیْ وَالصِّیَامُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ - وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا.

یہ بھی بخاری کی حدیث ہے. اِس میں

نبی اکرم صلّے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ ماہِ رمضان اور اس کے روزے بطور ڈھال کے تمہارے لئے بنائے گئے ہیں. اور اگر تم روزے کی رُوح اور اس کی حقیقت کو سمجھو تو شیطانی حملوں سے تم خود کو محفوظ کرسکتے ہو. اس لئے ضروری ہے کہ تمہاری زبان پر کسی قسم کا فحش نہ آئے. شہوت کو اُبھارنے والی باتیں نہ آئیں اور لَا یَجْھَلْ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان جہل سے کام نہ لے. جہل کے تین معنی ہیں. اور تینوں یہاں چسپاں ہوتے ہیں. ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ انسان [illegible] خالی ہو. یعنی [illegible] معنی [illegible] علم کے ہیں. [illegible] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا [illegible] قرآن کریم [illegible]. رمضان میں کثرت [illegible] حکم دیتا ہوں. [illegible] کہ [illegible] اور یہی میری سنت اور یہی حضرت جبریل علیہ السلام کی سنت ہے کیونکہ ہر رمضان میں وہ پورے قرآن کریم

منظوم کلام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اَوصافِ قرآنِ کریم

جمال و حُسنِ قرآں نُورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اَوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے
خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے
بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے

(از دُرِّ ثمین)

کا دور آپ سے کیا کرتے تھے۔ تو علم کے سمندر کا تمہیں پتہ دیا گیا۔ اور اس سمندر میں غوطہ لگانے کے سامان تمہارے لئے مہیا کئے گئے۔ اس لئے تم چوکس اور ہوشیار رہنا کہ کہیں اس موقعہ کو کھو نہ دو۔ اس لئے روزہ دار کے لئے ضروری ہے لَا یَجْھَلْ کہ اپنے اندر جہالت باقی نہ رہنے دے کیونکہ علم کے دروازے اس کے لئے کھولے گئے ہیں اور علم کے نور سے منور ہونے کی راہیں اسے بتائی گئی ہیں۔

دوسرے جہل کے معنی غلط اعتقاد کے ہیں۔ پس نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید چونکہ کامل اور مکمل کتاب ہے جو شخص اسے سمجھتا ہے اور اس کی حکمتوں کو جاننے کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ تمام اعتقاداتِ صحیحہ پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔ تو یہ موقع جب تمہیں دیا جاتا ہے کہ تم ہر قسم کے غلط اعتقاد کو اپنے ذہنوں اور دلوں سے نکال کر باہر پھینک دو۔ تو اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ لَا یَجْھَلْ۔ ایک مومن روزہ دار کو چاہیئے کہ صحیح اعتقادات کے حصول کے لئے پوری پوری کوشش کرے اور قرآن کریم سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ اس سے بے اعتنائی نہ برتے۔

تیسرے جہل کے معنی ہیں فِعْلُ الشَّیْئِ بِخِلَافِ مَا حَقُّہٗ اَنْ یُّفْعَلَ جو کام جس طور پر کرنا چاہیئے اس طرح نہ کرنا۔ تو

لَا یَجْھَلْ کے معنی

ہیں کہ رمضان میں حُسنِ عمل کی طرف خاص طور پر متوجہ ہونا چاہیئے۔ یعنی جو اعمالِ صالحہ کا حق ہے وہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اسی لئے رمضان کے ساتھ صرف بھوکا رہنے یا پیاسا رہنے یا بعض دیگر پابندیوں کو بجا لانے کا ہی حکم نہیں بلکہ سارے نیک اعمال کرنے کی طرف انسان کو توجہ دلائی گئی ہے۔ اور یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ تمہاری زندگی اور تمہاری بقاء کے لئے جو ضرورتیں ہو سکتی تھیں ان کو پورا کرنے کے سامان کر دیئے گئے ہیں۔ اب تمہارا کام ہے کہ تم ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور ایک صراطِ مستقیم پر تمہیں چلا دیا گیا ہے۔ یہ صراطِ مستقیم اعمالِ صالحہ کا ہے۔ تم اس صراطِ مستقیم پر چلتے رہو۔ جہالت سے کام نہ لینا۔

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا تمہیں مشک وغیرہ کی خوشبو بہت پسند ہے۔ اسی لئے ہم نے یہ حکم دیا ہے کہ جمعہ کے موقع پر یا عید کے موقع پر یا دوسرے اجتماعوں میں مشک اور دوسری خوشبوئیں لگا کر آیا کرو۔ تاکہ تمہارے ساتھی ایک قسم کی لذت محسوس کریں۔ تو جتنی مشک کی خوشبو تمہیں اچھی لگتی ہے اس سے زیادہ ہیں وہ بُو محبوب ہے جو محض ہماری رضا کے لئے کھانا چھوڑنے کے نتیجہ میں بعض دفعہ مُنہ میں پیدا ہو جاتی ہے اللہ تعالےٰ خوشبو اور بدبو ہر دو سے بے نیاز ہے۔ نورِ محض کو جسمانی حواس یا ان حواس سے حاصل ہونے والی لذتوں سے کیا سروکار۔ لیکن جو شخص اس کی خاطر محض اس کی رضا کے لئے بھوک کو برداشت کرتا ہے اور کھانے پینے کو چھوڑتا ہے اگر اس کے نتیجہ میں۔ ایسی باتیں پیدا ہوتی ہیں جو انسان کو پسند نہیں تو نہ ہُوا کریں ہم تو اس کے دِل کی کیفیت کو دیکھ کر اس قِسم کی بُو کو بھی بڑا ہی محبوب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے لئے اس شخص نے ایسا کام کیا کہ جس کے نتیجہ میں اس کے مُنہ میں وقتی طور پر بُو پیدا ہو گئی۔ اور یہی یہ خَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ (روزہ دار کے مُنہ کی بُو) اس لئے محبُوب ہے کہ یَتْرُکُ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ وَشَھْوَتَہٗ مِنْ اَجْلِیْ اس نے محض ہماری خاطر کھانے کو چھوڑا اور پینا چھوڑا اور اپنی شہوت کو چھوڑا۔ اَلصِّیَامُ لِیْ روزہ میرے لئے ہے اور وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ اس فقرہ کے معنے بعض بزرگوں نے یہ بھی کئے ہیں کہ دنیا نے غیر اللہ کے لئے کبھی روزے نہیں رکھے۔ دُنیا نے غیر اللہ کو سجدہ بھی کیا۔ ان کے لئے مالی قربانیاں بھی دیں۔ چڑھاوے بھی چڑھائے اور بہت سی بدعتیں کیں لیکن غیر اللہ کے لئے اپنے پر بھوکا رہنے کی پابندی کسی مشرک نے عائد نہیں کی۔ یہ معنی بھی لطیف ہیں۔ اگر تاریخ اس کی گواہی دیتی ہو۔ لیکن بہر حال اللہ تعالےٰ نے روزہ کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے

اَلصِّیَامُ لِیْ کا فقرہ

بولا ہے۔ یعنی روزے دار کا روزہ میرے نزدیک ایسا ہے کہ یہ خالصۃً میرے لئے ہے وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ اور میں ہی اس کی جزا دُوں گا۔ وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ہر نیکی کے بدلہ میں دس گنا یا اس سے بھی زیادہ ثواب ہوگا یعنی حساب سے بتایا گیا ہے کہ دس گنا یا سو گنا یا بعض جگہ اس سے بھی زیادہ ثواب کا ذکر آتا ہے۔ یہ دوسری نیکیوں کے متعلق آتا ہے روزہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ روزہ کا ثواب اور اس کی جزا بغیر حساب کے ہے۔ اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا کے مطابق نہیں۔ اس کی جزا بے حساب ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر روزہ دار کو اللہ تعالےٰ کا قُرب حاصل ہو جائے تو اس قُرب کو کسی حساب میں تو محدُود نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے سارے حساب ختم ہو جاتے ہیں۔ اس ثواب کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جب اللہ تعالےٰ کا قُرب انسان حاصل کرلے اور اس کی رُویت یا اس سے ہمکلامی یا اس کی رحمتوں (زندہ رحمتوں) کو انسان اپنے اُوپر نازل ہوتا دیکھ لے یعنی اُسے روزہ کی یہ جزا مِل جائے تو اُسے کسی حساب میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔

اس سے ملتے جُلتے الفاظ میں

ایک دُوسری حدیث

بھی ہے جس کے آخر پر نبیُ اکرم صلّے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ یَفْرَحُھُمَا
اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَ اِذَا
لَقِیَ رَبَّہٗ فَرِحَ بِصَوْمِہٖ۔

روزہ دار کو دُو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک خوشی تو اُسے یہ حاصل ہوتی ہے اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ کہ وہ روزہ کھولتا ہے اور کھاتا اور پیتا ہے اس یقین اور ایمان کے ساتھ کہ مَیں نے خدا تعالےٰ کے لئے اور اس کے حکم سے کھانا پینا چھوڑا تھا اور اب میں خدا تعالیٰ کی اجازت سے اسی کے حکم سے کھانے لگا ہوں۔ کیونکہ افطار محض کھانا نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے کھانا ہے۔ نبیُ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے اس بات سے منع کیا ہے کہ سُورج غرُوب ہو جانے پر کھانے میں تاخیر کی جائے۔ بلکہ آپؐ اتنی جلدی کیا کرتے تھے کہ بعض دفعہ صحابہ عرض کرتے کہ یا رسُول اللہ ابھی تو روشنی ہے۔ آپؐ فرماتے نہیں سورج غروب ہو گیا ہے تم روشنی کی طرف نہ دیکھو۔ اور میرے لئے افطاری تیار کرو۔ تو اَفْطَرَ میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان روزہ رکھنے کے بعد جب روزہ کھولتا ہے اور کچھ کھاتا ہے تو یہ سمجھتے ہوئے کھاتا ہے کہ میرا یہ کھانا صرف اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کھانے کی اجازت دی ہے جس طرح میرا کھانے سے پرہیز کرنا اس لئے تھا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے اس سے منع کر دیا تھا جس کا مطلب یہ ہُوا کہ انسان کو یہ سبق مل جاتا ہے اور وہ اس کو اچھی طرح سمجھنے لگ جاتا ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں کھانی جس کی اللہ تعالےٰ اجازت نہ دے۔ مثلاً چڑھاوے کے کھانے ہیں ان سے اسلام نے منع کیا ہے۔ پھر بہت سارے اور کھانے ہیں جن سے اسلام نے منع کیا ہے۔ پھر مالِ حرام ہے۔ اس سے بھی خدا تعالےٰ نے منع کیا ہے۔ میں اس تفصیل میں اس وقت نہیں جانا چاہتا۔ غرض جس وقت انسان روزہ کھولتا ہے تو وہ صرف کھانا ہی نہیں کھاتا بلکہ وہ اس لئے کھا رہا ہوتا ہے کہ خدا نے اُسے کہا کہ کھا۔ تو جو شخص اس حقیقت کو پالے کہ میرا کھانا اور نہ کھانا ہر دو خدا کے لئے ہیں۔ اس کی اجازت اور اس کے حکم سے ہیں۔ اس سے زیادہ خوشی اور کیا اُسے پہنچ سکتی ہے۔ اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھانے پینے میں تمہارے لئے بڑی لذتیں ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کی لذت کھانے میں نہیں ہے۔ ایک مسلمان کی لذت اس کھانے میں ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ کھاؤ۔ پس جس وقت روزہ دار افطار کرتا ہے اس کو بڑی خوشی پہنچتی ہے کہ میرے ربّ نے مجھے کہا کہ اے میرے بندے میرے کہنے پر تُو نے کھانا چھوڑا تھا، اب میرا حکم ہے کہ تُو کھا۔ تو وہ کھاتا ہے۔ اور اپنے ربّ کے اس حکم کی وجہ سے اور اس حقیقت کو پالینے کے نتیجہ میں اس کے لئے بڑی ہی خوشی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دوسری خوشی اس کی یہ ہے کہ اِذَا لَقِیَ رَبَّہٗ فَرِحَ بِصَوْمِہٖ جب اپنے ربّ کی ملاقات اور اس کا قُرب اُسے حاصل ہو جاتا ہے اور رُویا یا کشوف یا الہام کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ اُسے مل جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر اس کے لئے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ پس اس دُنیا میں بھی دُو خوشیوں کے سامان ایک مخلص روزہ دار کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس ماحول میں اور اس رمضان میں جس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں نبیُ کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد کی حقیقت ہمیں سمجھ آتی ہے (یہ بھی بخاری کی حدیث ہے اور ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے) کہ نبیُ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ
فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ
وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَھَنَّمَ
وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ۔

آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں

جب آسمان کے دروازے کُھلتے ہیں تو دُو نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آسمانی رحمتوں کا نزُول ہونے لگتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان کے اعمالِ صالحہ جو خلوصِ نیّت سے کئے جائیں وہ آسمانوں میں داخل ہو سکتے ہیں (یہ ایک تمثیلی زبان ہے) یعنی قبولیت کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ دروازہ کھلنے کے دُو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں اور دونوں پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس جو شخص نیک نیت کے ساتھ خدا تعالےٰ کے لئے روزہ بھی رکھتا ہے اور اس کے لوازمات بھی بجالاتا ہے اس کے لئے اللہ تعالےٰ آسمانوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بڑی کثرت سے نزولِ رحمتِ باری شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایسا بندہ اللہ تعالےٰ سے اس کے حکم کی بجا آوری کی توفیق بھی پاتا ہے۔ اور جو عاجزانہ طور پر اپنے خدا کے حضور پیش کرتا ہے۔

اس کی قبولیت کے سامان بھی پیدا کئے جاتے ہیں۔ ان دروازوں سے اعمالِ صالحہ داخل ہو جاتے ہیں۔ غُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ روزے دار کے لئے ایسے سامان پیدا کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ معاصی سے بچنے لگتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے جن باتوں سے روکا ہے اُن سے وہ رُک جاتا ہے۔ اور یہی چیزیں ہیں جن کے نتیجہ میں جہنّم کے دروازے کھلتے ہیں۔ غرض اللہ تعالےٰ کی توفیق سے وہ معاصی سے بچتا ہے۔ اور نواہی سے پرہیز کرتا ہے۔ اور جس وقت رحمت کے دروازے کھُلے ہوں، جہنّم کے دروازے بند ہوں تو پھر اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ کہ شیطان زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے۔ شیطانی حملہ اندرونی ہو (نفسِ امارہ کے ذریعہ) یا بیرونی ہو وہ کارگر نہیں ہو سکتا۔

غرض یہ رمضان جو اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے اور

یہ رمضان ہے

جس کی طرف ہمیں پورے نفس اور پوری رُوح کے ساتھ متوجّہ ہونا چاہیئے تاہم خدا کے فضل اور اس کی توفیق سے ایسے اعمال بجالائیں کہ ہمارے لئے جنّتوں کے دروازے تو ہمیشہ کھُلے رہیں لیکن جہنم کے دروازے مقفل رہیں اور شیاطین (جو وجود بھی ہمارے لئے شیطان بن سکتے ہیں۔ ان) کو پابہ زنجیر کر دیا جائے اور ہم ان کے حملہ سے محفوظ رہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

ہم بھی اللہ تعالےٰ کی اس بشارت کے مستحق ہوں کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھتا ہے اِیْمَانًا اس ایمان اور یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالےٰ نے ہم پر اپنے فضل کے دروازے کو کھولنے کے لئے رمضان کا روزہ فرض اور واجب کیا ہے۔ اور ہمارے لئے رحمت کا موجب ہے۔ تکلیف اور زحمت کا موجب نہیں۔ اور اِحْتِسَابًا اَیْ طَلَبًا لِلْاَجْرِ فِی الْاٰخِرَةِ اس کے نتیجہ میں اپنے ربّ کے اجر کا طالب ہو اور

یہ عزم اور یہ رغبت

اس کے اندر پائی جاتی ہو کہ مَیں نے ہر قربانی دے کر اپنے ربّ سے اس کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ اور بشاشتِ قلب کے ساتھ وہ یہ قربانی دے کر اُسے بوجھ نہ سمجھے۔ یہ معنے ہیں احتساب کے۔ غرض جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کو بوجھ نہیں سمجھتا۔ طیبِ خاطر اور بشاشتِ قلب کے ساتھ وہ انہیں بجالاتا ہے اور اس کے دل میں ایک جوش ہوتا ہے کہ مَیں ہر قربانی دے کر اپنے ربّ کی خوشنودی کو ضرور حاصل کروں گا اور اس ایمان پر قائم ہوتا ہے کہ اگر مَیں نے اپنے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنی ہے تو اللہ تعالےٰ نے اسلام کے ذریعہ اور قرآن کریم میں اس رضا کے حصول کی جو راہیں ہم پر کھولی ہیں ان پر مَیں چلوں گا تو پھر غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ جو اس کی شرعی کمزوریاں ہیں اللہ تعالےٰ اُنہیں مغفرت کی چادر کے نیچے ڈھانپ لے گا۔ اور اپنے نور سے اُسے منوّر کرے گا۔ اور

اپنی رضا کی جنّت

میں اُسے داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے خوش ہو اور ہم سے راضی رہے اور ہمیں ایسے اعمال بجالانے کی توفیق دے جو اس کی نگاہ میں مقبول ہوں اور شیطان کو انتہائی طور پر ناپسندیدہ ہوں۔ اور وہ ہمیں اپنی رضا کی جنّتوں میں داخل کرے اور ہم سے خوش ہو جائے۔ اور ہمیں اپنا محبوب بنالے (اپنا محبوب کہتے ہوئے رُوح کانپ اٹھی کہ ایک بندہ ناچیز خدا کا محبوب کیسے بن سکتا ہے۔ بندہ بڑا ہی عاجز ہے اور کوئی خوبی اس میں نہیں۔ لیکن ہمارا ربّ بڑا ہی پیار کرنے والا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری طرف آؤ مَیں تمہیں اپنا محبوب بنالوں گا) پس وہ اپنے فضلوں کی بارش کچھ اس طرح ہم پر برسائے کہ ہم واقعہ میں اور حقیقتاً اس کے محبوب بن جائیں اور اس کی رضا کی جنّتوں میں رہنے والے ہوں۔ آمین ؀

درخواست ہائے دعا

(۱)۔ خاکسار ایک عرصہ سے بیمار چلا آرہا ہے جس کی وجہ سے بہت پریشانی ہے۔ کامل صحت کے لئے تمام احباب جماعت سے دُعا کی درخواست ہے۔

خاکسار محمد یوسف زیدوی۔ گلبرگہ۔

(۲)۔ مکرم مولوی محمد حسن خان صاحب پورینہ سونتھاہاٹ میں مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے آئے ہیں۔ لیکن آتے ہی بیمار پڑ گئے ہیں۔ کمزوری کافی ہوگئی ہے مکمل شفایابی کے لئے دُعا کی درخواست ہے۔

خاکسار سید عبد الباقی صدر جماعت احمدیہ برہ پورہ

مغربی اقوام کی ترقی اور مسلمانوں پر زوال طاری رہنے کی وجوہات!

بقیہ اداریہ صفحہ (۲)

اس لئے ان کے لئے قطعی ناممکن ہے کہ اسی قسم کے دنیوی اسباب کو کام میں لاتے ہوئے ترقی کر جائیں۔ مسلمانوں نے بارہا اس کا تجربہ کر لیا اور ناکامی و نامرادی کا مُنہ دیکھا۔ مسلمان اپنی نادانی کے سبب اب تک یہی سمجھتے رہے کہ ہماری کامیابی کا ذریعہ یہ ہے کہ ہم انجمنیں بنائیں۔ مدرسے جاری کریں۔ یونیورسٹیاں اور کالج کھولیں۔ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف توجہ کریں۔ یا موجودہ بدلتے ہوئے حالات میں بقول اخبار الجمعیۃ "قوتِ مرہبہ" پیدا کریں۔ یعنی زمانہ حاضرہ کے مناسب حال قوّتِ حربیہ کو جمع کرکے اپنے حریفوں سے سبقت لے جائیں اور اس طرح ایک طرف اپنے دشمنوں پر رُعب جمالیں اور دوسری طرف اپنی ذلّت و نکبت کو دُور کرکے ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑے ہو جائیں۔ مگر وہ اس تاریخی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ کسی مذہبی جماعت کو تنزّل کے بعد محض دنیوی تدابیر سے غلبہ حاصل نہیں ہؤا۔ جب بھی کوئی مذہبی جماعت گری ہے اُسے مامور کے ذریعہ ہی دوبارہ عروج حاصل ہؤا ہے۔ اس لئے اب بھی مسلمانوں کے لئے امام مہدی اور مسیح موعود کے ذریعہ ہی عرُوج اور سربلندی نصیب ہوسکتی ہے۔ مسلمانوں نے اب تک زور لگا کر دیکھ لیا، آئندہ بھی دیکھ لیں، اس حقیقت کو بدل نہ سکیں گے۔

اسی بات کو سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہُ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "تفسیر کبیر" میں بڑے ہی لطیف پیرایہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ حضور رضٰ فرماتے ہیں:۔

"یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کا یہ قانون کہ دُنیا کی ترقی دین کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہر قوم کے متعلق نہیں بلکہ اُن اقوام کے متعلق ہے جو ابھی اللہ تعالےٰ کے الہام سے محروم نہیں ہوئیں۔ اگر اُن کو بھی دین کے بغیر دُنیا میں ترقی مل جائے تو پھر دین کا کسی قوم کے پاس بھی حصہ نہ رہے۔ اور خدا تعالےٰ کا خانہ بالکل خالی ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ اب مسلمانوں کو کبھی ترقی نہیں دے سکتا جب تک وہ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں اپنے آپ کو شامل نہیں کر لیتے۔ آج اللہ تعالےٰ کنفیوشس مذہب کے پیروؤں کو بالکل چھوڑ بیٹھا ہے۔ زرتشی مذہب کے پیروؤں کو بالکل چھوڑ بیٹھا ہے۔ بُدھ مذہب کے پیروؤں کو بالکل چھوڑ بیٹھا ہے۔ عیسائی مذہب کے پیروؤں کو بالکل چھوڑ بیٹھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی زمیندار کا بیل بڈھا ہو جائے تو وہ اُسے کھلا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کی بات کی پروا تک نہیں کرتا کہ رات کو گھر میں واپس آتا ہے یا نہیں۔

لیکن مسلمانوں کی مثال دودھ دینے والی گائے کی سی ہے۔ ایک بڈھا بیل جسے کھُلا چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے متعلق مالک کا اور قانون ہوتا ہے اور گھر کی دودھ دینے والی گائے کے متعلق مالک کا اور قانون ہوتا ہے۔ بوڑھا بیل اگر رات کو گھر نہیں آتا تو مالک اس کی پروا نہیں کرتا لیکن اگر دودھیل گائے رات کو گھر میں نہ آئے تو وہ اِدھر اُدھر دوڑا پھرتا ہے۔ اور ہر ایک سے پوچھتا ہے کہ میری گائے کدھر گئی؟

پس وہ جماعتیں جن کا خدا تعالےٰ سے تعلق کٹ چکا ہوتا ہے اگر دنیوی تدابیر سے ترقی کر جائیں تو اللہ تعالےٰ کو اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ لیکن وہ جماعتیں جن کا خدا تعالیٰ سے روحانی تعلق باقی ہوتا ہے ان کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ اُن کی اصلاح اور ترقی بغیر نبی کے نہیں ہوتی۔ پس انگلستان اور امریکہ اور جاپان وغیرہ کی مثالیں یہاں چسپاں نہیں ہوتیں۔ یہ قانون اُن اقوام کے متعلق ہے جن کا ابھی خدا تعالےٰ سے کچھ تعلق ہوتا ہے۔ نہ ان کے متعلق جو خدا تعالےٰ سے بغاوت اختیار کرکے نُورِ الہام سے کلیۃً محروم ہو جاتی ہیں۔" (تفسیر کبیر جلد ۶ جزو ۴ حصہ سوم صفحہ ۸۷)

پس یہ ہیں بیّن وجوہ مغربی اقوام کے ترقی کر جانے اور مسلمانوں پر زوال طاری رہنے کی۔ مسلمان جس قدر جلد مامورِ وقت کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرکے اپنی جدوجہد کو یکجا کریں گے۔ قومی سطح پر اسی قدر جلد اُن کے زوال کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی۔ مبارک ہے وہ جو اس مسئلہ کی نزاکت کو سمجھ لے۔ اور حق بات تو اپنے دل میں جگہ دیتے ہوئے اس کے مناسب حال اپنے اندر تبدیلی پیدا کرے ــــــ ورنہ اسلام کی ترقی تو مقدر ہو چکی ہے۔ اور امام مہدی اور مسیح موعودؑ کی جماعت اس منزل کی طرف قدم بقدم آگے بڑھتی جارہی ہے اور وہ وقت آتا ہے جب اسلام کے عالمگیر رُوحانی غلبہ کا دن طلوع ہوگا اور کسی کیلئے انکار کی گنجائش نہ رہے گی ؏

قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا!

جماعتِ احمدیہ رشی نگر و بھبنیشور میں

خدام الاحمدیہ کے تربیتی اجلاس

جماعتِ احمدیہ رشی نگر

مورخہ ۸ رستمبر کو خدام الاحمدیہ رشی نگر کی مجلس کے زیرِ اہتمام ایک تربیتی اجلاس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں علاوہ خدام کے کافی تعداد میں "انصار اللہ" نے بھی شمولیت فرمائی۔ محترم جناب عبدالسلام صاحب لون بی۔اے قائد مجلس خدام الاحمدیہ رشی نگر کے زیرِ صدارت اس اجلاس کی کارروائی بعد نماز عشاء شروع ہوئی۔

مکرم عبدالحی صاحب سیکرٹری تعلیم کی تلاوتِ قرآن کریم کے بعد مکرم قائد صاحب نے تمام حاضرین سمیت کھڑے ہو کر خدام الاحمدیہ کا عہد دوہرایا۔ بعدہٗ مکرم محمد امین صاحب گنائی نے دُرِّثمین سے ایک نظم سُنائی۔

پہلی تقریر مبارک احمد صاحب بٹ نے "محبتِ الٰہی" کے موضوع پر کی۔ آپ نے اپنی تقریر میں خُدّام کو خدا تعالےٰ سے محبت بڑھانے کی طرف توجہ دلائی۔ اور بتایا کہ ہر کام کا انجام تبھی احسن ہو سکتا ہے جبکہ خدا تعالےٰ سے حقیقی محبت کی جائے۔ اور خدا تعالےٰ کی محبت حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے ثبوت میں آپ نے آیت قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتّبعونی یحببکم اللہ پیش فرمائی۔

دوسری تقریر محمد ایوب صاحب ساجد متعلم جامعہ احمدیہ قادیان نے "تنظیم خدام الاحمدیہ کا پسِ منظر اور ہمارا نمونہ" کے عنوان پر کی۔ آپ نے بتایا کہ خدام الاحمدیہ کی تنظیم کا قیام حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہٗ کے کارہائے نمایاں میں سے ہے آپ نے خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض و غایت بیان کی اور صحابہ رضٰ کرام کے اسوہ کو پیش کر کے خدام کو توجہ دلائی کہ وہ بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

تیسری تقریر خاکسار نے "ہماری ذمہ داریاں" کے عنوان پر کی۔ خاکسار نے خاص طور پر خدام کو نمازوں اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں توجہ دلائی۔ اسی طرح اخلاقِ حسنہ، خدمتِ خلق وغیرہ کے شعار کو اپنانے کی تلقین کی۔

بعدہٗ مکرم قائد صاحب نے صدارتی تقریر میں اس امر پر زور دیا کہ ہم اپنے اندر تبدیلی کے ایک عزم کو لے کر یہاں سے اُٹھیں تاکہ ہماری سُستیاں دُور ہو جائیں۔

دُعا کے بعد یہ اجلاس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ احباب دُعا فرمائیں کہ خدا تعالےٰ یہاں کے خدام کو احسن رنگ میں خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خاکسار مظفر احمد فضل مبلغ سلسلہ احمدیہ
حال مقیم رشی نگر (کشمیر)

جماعتِ احمدیہ بھبنیشور

مورخہ ۱۷ ر تبوک (ستمبر) بروز اتوار بعد نماز مغرب مجلس خدام الاحمدیہ بھبنیشور کا ماہانہ اجلاس زیرِ صدارت مکرم مولوی سید منظور احمد صاحب معلّم وقفِ جدید منعقد ہوا۔ جس میں عزیزم سید منیر احمد صاحب کی تلاوتِ قرآن کریم کے بعد خاکسار نے نظم پڑھ کر سُنائی۔

تقاریر کا آغاز عزیز سید نیر احمد صاحب کی تقریر بعنوان "احمدیت کیا ہے؟" سے ہوا۔ بعد ازاں عزیز سید تنویر احمد صاحب عزیز سید منیر احمد صاحب، عزیز سید خالد احمد صاحب، عزیز سید نعیر احمد صاحب نے علی الترتیب "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" "حقیقی اسلام"۔ "موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا پُرسانِ حال اور مسیح موعودؑ کی آمد"۔ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی غرض" موضوعات پر تقاریر کیں۔ بعد ازاں مکرم مولوی سید عبد السلام صاحب صدر جماعتِ احمدیہ بھبنیشور نے "انسان کا مقصدِ زندگی کیا ہے؟" کے موضوع پر ایک تقریر فرمائی۔ جس میں فاضل مقرر نے مختلف مثالیں دیتے ہوئے انسان کے مقصدِ زندگی کو ثابت کیا اور یہ بتایا کہ چھوٹا بچّہ جب پیدا ہوتا ہے تو بے بس ہوتا ہے۔ دینی و دنیوی تربیت والدین کرتے ہیں۔ مگر روحانی تربیت نبی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ موصوف نے اسی ضمن میں خدام کو چند نصائح کر کے اپنی تقریر ختم کی۔

آخر میں صدر مجلس مکرم سید منظور احمد صاحب نے بتایا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ہر دو کی بجا آوری اپنی اپنی جگہ لازمی ہے اور انہی دونوں حقوق کی ادائیگی سے اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوتے ہیں۔ تفصیلاً اس پر بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے خدام کو تبلیغی اور تربیتی میدان میں مکمل طور پر حصّہ لینے کے لئے پُر زور تحریک فرمائی۔ اپنی تقریر کو ختم فرمانے کے بعد آپ نے دعا فرمائی اور اجلاس بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ احباب دعا فرماویں کہ اللہ تعالےٰ ہم خادموں کو بہترین رنگ میں اسلام یعنی حقیقی اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

خاکسار غلام احمد عبید بھبنیشور۔

رمضان کا مقدس عہد

از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرمایا کرتے تھے کہ اصلاحِ نفس کا یہ بھی ایک عمدہ اور تجربہ شدہ طریق ہے کہ دوست رمضان کے مہینہ میں اپنی کسی نہ کسی کمزوری کے دُور کرنے کا عہد کیا کریں۔ اس عہد کے متعلق کسی دوسرے شخص پر اظہار کرنے کی ضرورت نہیں۔ (کیونکہ ایسا کرنا خدا کی ستاری کے خلاف ہوگا) صرف اپنے دِل میں خدا کے ساتھ عہد کرنا چاہیئے کہ میں آئندہ ایسی فلاں کمزوری سے اجتناب کروں گا اور کمزوری کا انتخاب ہر شخص اپنے حالات کے ماتحت خود کر سکتا ہے۔ مثلاً نمازوں میں سُستی۔ مقامی امراء سے عدمِ تعاون۔ جھوٹ بولنے کی عادت۔ کاروبار میں دھوکہ دینے کی عادت۔ بہتان تراشی۔ وعدہ خلافی۔ رشوت ستانی۔ فحش کلامی۔ گالی گلوچ۔ غیبت۔ بدنظری۔ ہمسایوں کے ساتھ بدسلوکی۔ بیوی کے ساتھ بدسلوکی۔ والدین کی خدمت میں غفلت۔ عورتوں کے لئے، اپنے خاوندوں سے نشوز۔ بے پردگی۔ بچوں کی تربیت میں غفلت۔ سگریٹ اور حقہ نوشی۔ سینما دیکھنے کی عادت۔ سُودی لین دین وغیرہ وغیرہ۔ سینکڑوں قسم کی کمزوریاں ہیں جن میں ایک شخص مبتلا ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کوئی سی کمزوری اپنے خیال میں رکھ کر دِل ہی دِل میں خدا کے ساتھ عہد کیا جائے کہ میں خدا کی توفیق سے آئندہ اس کمزوری سے کلّی طور پر مجتنب رہوں گا۔ اور پھر اس مقدس عہد کو مرتے دم تک اس طرح نباہے کہ اپنی اس نیکی اور وفاداری سے خدا تعالیٰ کو راضی کرے یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بتایا ہوا نسخہ ہے پس

اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما!!

(الفضل ۲۵ ر دسمبر ۱۹۶۵ء)

اعلانِ دُعاء

جماعتِ احمدیہ کلکتہ کے ایک دوست نے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے ملک کی مختلف لائبریریوں میں "تفسیرِ صغیر" رکھوانے کے لئے مبلغ -/۲۰۰۰ روپے اور اخبار بدر کے لئے مبلغ -/۱۰۰۰ روپے کی رقم نظارت میں ارسال کی ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

احباب اپنے اس مخلص بھائی اور اُن کے اموال و نفوس میں برکت کے لئے نیز دینی ترقیات کے لئے دُعا فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضلوں سے انہیں نوازتا رہے اور صحت و تندرستی عطا فرمائے اور ہمیشہ ان کے گھر خوشیوں سے معمور رکھے آمین۔　　(ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان)

اِعلان

(۱) نظارت دعوۃ و تبلیغ میں ایک مخلص و مخیر دوست نے کچھ رقم ملک کی لائبریریوں میں تفسیر صغیر اور اخبار بدر رکھوانے کے لئے بھیجی ہے۔ فجزاہُ اللہ احسن الجزاء۔

مبلغین کرام و صدر صاحبان جماعت احمدیہ سے گذارش ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ کی مناسب لائبریریوں کے ایڈریس نظارت ہذا میں بھجوا دیں۔ تاکہ تفسیر صغیر اور اخبار بدر وہاں بھجوائے جا سکیں۔ یہ اطمینان کر لیا جائے کہ ہمارے لٹریچر سے پبلک زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے۔ اور اخبار ریڈنگ روم کی میز پر رکھا جایا کرے۔

(۲) جماعت کے دوسرے دوست بھی ایسی اطلاعات مبلغین کرام یا صدر صاحبان کی تصدیق سے بھجوا سکتے ہیں۔

ناظرِ دعوۃ و تبلیغ قادیان

اخبار بدر کی اعانت ہر احمدی کا قومی فریضہ ہے۔
(مینیجر بدر)

قسط نمبر ۸

احمدیت بجواب قادیانیت

(از مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی نائب ناظر تالیف و تصنیف)

ہم نے جون تا اگست ۱۹۶۸ء میں جناب مولوی سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ و رکن عربی اکیڈمی دمشق و رکن مجالس مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، بیروت، جنیوا، دیوبند اور اعظم گڑھ کی کتاب "قادیانیت" کے بعض متفرق اعتراضات کا جواب اخبار بدر میں دیا تھا جو سات اقساط میں نکلا تھا۔ احباب کا مطالبہ ہے کہ اس پوری کتاب کا جواب دیا جانا چاہیئے۔ لہٰذا ہم اب ترتیب وار اپنا جواب اخبار میں دینے کا ارادہ کر چکے ہیں چونکہ اس کتاب کی تمہید اور حرف گفتنی کا جواب ہو چکا ہے۔ ہم اگلی یعنی آٹھویں قسط کتاب کے باب اوّل سے شروع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے نافع للناس بنادے۔ آمین۔

خاکسار: محمد ابراہیم قادیانی نائب ناظر تالیف و تصنیف قادیان

باب اوّل

تحریک احمدیت کا زمانہ ماحول اور اسکی بنیادی و مرکزی شخصیتیں

فصل اوّل

انیسویں صدی کا ہندوستان اور مسلمانوں و دیگر اقوام کی مذہبی حالت

اس عنوان کے تحت ندوی صاحب نے مصلح کے لئے ضرورتِ زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ دنیا میں حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے وقت عالمگیر فساد برپا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"انیسویں صدی عیسوی تاریخ میں اس لحاظ سے امتیاز رکھتی ہے کہ اسلامی ممالک میں دماغی بے چینی اور اندرونی کشمکش اپنے شباب کو پہنچ چکی تھی۔ ہندوستان اس بے چینی و کشمکش کا خاص میدان تھا یہاں بیک وقت مغربی و مشرقی تہذیبوں، جدید و قدیم نظامِ تعلیم اور نظامِ فکر اور اسلام و مسیحیت میں معرکہ کارزار گرم تھا اور دونوں طاقتیں زندگی کے لئے ایک دوسرے سے نبرد آزما تھیں۔

۱۸۵۷ء کی آزادی کی کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے دل شکست کے صدمہ سے زخمی اور اُن کا دماغ ناکامی کی چوٹ سے مفلوج ہو رہا تھا۔ وہ دوہری غلامی کے خطرے سے دوچار تھے۔ سیاسی غلامی اور تہذیبی، ایک طرف نوخیز فاتح انگریزی سلطنت نے نئی تہذیب و ثقافت کی توسیع و اشاعت کا کام شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے عیسائی پادری مسیحیت کی دعوت و تبلیغ میں خاص سرگرمی دکھا رہے تھے۔ وہ عقائد میں تزلزل پیدا کر دینے اور عقیدہ اور شریعت اسلامی کے ماخذوں اور سرچشموں کے بارے میں متشکک اور بدگمان بنا دینے کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے تھے مسلمانوں کی نئی نسل جس پر اسلامی تعلیمات نے پورے طور پر اثر نہیں کیا تھا اس دعوت و تلقین کا خاص طور پر ہدف اور اسکول و کالج اس ذہنی انتشار اور اندرونی کشمکش کا خصوصیت کے ساتھ میدان تھے۔ ہندوستان میں قبولِ مسیحیت کے واقعات بھی پیش آنے لگے۔

لیکن اس وقت کا اصل مسئلہ اور اسلام کے لئے صحیح خطرہ ارتداد نہ تھا۔ بلکہ الحاد اور عقائد میں تردد و تزلزل تھا۔ عیسائی پادریوں اور مسلمان عالموں میں جابجا مناظرے اور مباحثے ہوئے جن میں عام طور پر علمائے اسلام کو فتح ہوتی۔ اور عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کا علمی اور عقلی تفوق اور استحکام ثابت ہوا۔ لیکن اس سب کے نتیجہ میں بہرحال طبیعتوں میں ایک بے چینی اور افکار میں تزلزل پیدا ہو رہا تھا۔

دوسری طرف فِرقِ اسلامیہ کا آپس کا اختلاف تشویشناک صورت اختیار کر گیا تھا۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تردید میں سرگرم اور کمربستہ تھا۔ مذہبی مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم تھا جن کے نتیجہ میں اکثر زدوکوب قتل و قتال اور عدالتی چارہ جوئیوں کی نوبت آتی۔ سارے ہندوستان میں ایک مذہبی خانہ جنگی سی برپا تھی۔ اس صورتِ حال نے بھی ذہنوں میں انتشار، تعلقات میں کشیدگی اور طبیعتوں میں بیزاری پیدا کر دی تھی۔ اور علماء کے وقار اور دین کے احترام کو بڑا صدمہ پہنچا تھا۔

دوسری طرف خام صوفیوں اور جاہل دلق پوشوں نے طریقت و ولایت کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے شطحیات (وہ کلمات و ملفوظات جو صوفیہ سے غلبۂ حال اور "سُکر" میں صادر ہوتے ہیں) و الہامات کی بڑے پیمانہ پر اشاعت کی تھی۔ جابجا لوگ الہام کا دعویٰ اور عجیب و غریب خوارق اور بشارتوں کی روایت کرتے پھرتے تھے...... مسلمانوں پر عام طور پر یاس و ناامید اور حالات و ماحول سے شکست خوردگی کا غلبہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد کے انجام اور مختلف دینی اور عسکری تحریکوں کی ناکامی کو دیکھ کر معتدل اور معمولی ذرائع اور طریقِ کار سے انقلاب حال اور اصلاح سے لوگ مایوس ہو چکے تھے اور عوام کی بڑی تعداد کسی مردِ غیب کے ظہور اور کسی ملہم اور مؤید من اللہ کی آمد کی منتظر تھی۔ کہیں کہیں یہ خیال بھی ظاہر کیا جاتا تھا کہ تیرھویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا ظہور ضروری ہے مجلسوں میں زمانۂ آخر کے فتنوں اور واقعات کا چرچا تھا۔ شاہ نعمت اللہ ولی کشمیری کے طرز کی پیشگوئیوں اور الہامات سے سہارا حاصل اور غم غلط کیا جاتا تھا.....

..... پنجاب ذہنی انتشار و بے چینی، ضعیف الاعتقادی اور دینی ناواقفیت کا خاص مرکز تھا۔ ہندوستان کا یہ علاقہ اسّی برس تک مسلسل سکھ حکومت کے مصائب برداشت کر چکا تھا جو ایک طرح کی مطلق العنان فوجی حکومت تھی۔ ایک صدی سے کم کے اس عرصہ میں پنجاب کے مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل اور دینی حمیت میں خاص ضعف آچکا تھا۔ صحیح اسلامی تعلیم عرصہ سے مفقود تھی اسلامی زندگی اور معاشرے کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں۔ خیالات دماغوں اور طبیعتوں میں انتشار و پراگندگی تھی۔ اور مختصراً اقبالؔ کے الفاظ میں ؎

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

(قادیانیت صفحہ ۱۵ تا ۱۸)

"اس انیسویں صدی کا اختتام تھا کہ مرزا غلام احمد صاحب اپنی نئی دعوت و تحریک کے ساتھ منظرِ عام پر آئے"۔

(ایضاً)

ندوی صاحب نے زمانہ کے عالمگیر فساد عظیم کی وجہ سے ایک مصلح و ہادی کی ضرورت کو کھلے لفظوں میں تسلیم کیا ہے۔ مگر انہوں نے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ اس عالمگیر حقیقی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب کے سوا خدا تعالیٰ کی طرف سے کیا انتظام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم میں آنحضرت صلعم کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے وہی وجہ بتائی ہے جو ندوی صاحب نے تسلیم کی ہے۔ یعنی ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس مصلح کا نام بھی بتا دیتے جسے خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کو پورا کرنے اور اصلاحِ امت و اقوامِ عالم کے لئے عین ضرورت کے وقت کھڑا کیا۔ یا کسی "مردِ غیب" کو کھڑا نہ کرنے کا کوئی معقول سبب بتاتے مگر مولوی صاحب اس طرف سے کنی کترا گئے۔ انہوں نے یہ بھی بتانے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ اس ضرورتِ حقہ کے وقت خدا تعالیٰ نے اپنی سنتِ قدیمہ جاریہ اور عادتِ مستمرہ و قانونِ ضروری کو کیوں ترک کر دیا۔ اور دُنیا کی طرف سے مُنہ موڑ کر اس کی حالت پر رحم و ترس کیوں نہ کھایا۔ کیا اس نے ساری دنیا کو عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ کے سپرد کر دیا کہ وہ جس طرح چاہیں ان کے ساتھ کھیلتے رہیں اور ان پر فتنوں کو مسلط کر کے ان کو کہیں کا نہ رہنے دیں۔ بہرحال دیگر مخالف علماء اسلام کی طرح انہوں نے بھی اپنی مسلّمہ ضرورتِ زمانہ کا کوئی تسلّی بخش علاج نہیں بتایا بلکہ آگے چل کر انہوں نے اپنے اس بیان کے خلاف ان مسلّمہ فتنہ انگیز علماء ہی کو اصلاح کا ذمہ دار ٹھہرا کر اپنی جان چھڑالی ہے۔

ندوی صاحب کی طرف سے حضرت اقدس علیہ السلام کی کامیابی کا دبی زبان سے اعتراف

وہ لکھتے ہیں:۔

"عوام میں اسرار و رموز، خوارق و کرامات اور غیبی اطلاعات، خوابوں اور پیشگوئیوں کے سُننے کا غیر معمولی شوق پیدا ہو گیا تھا۔ جو شخص یہ جنس جتنی زیادہ پیش کرتا تھا اتنا ہی وہ عوام میں مقبول ہوتا تھا اور ان کی عقیدت و احترام کا مرکز بنتا۔ عیّار درویشوں اور چالاک دین فروشوں نے عوام کی اس ذہنیت

سے پُورا پورا فائدہ اٹھایا۔ طبیعتیں اور دماغ ناقابلِ فہم چیز کے قبول کرنے کے لئے ہر نئی چیز کو ماننے کے لئے ہر دعوت و تحریک کا ساتھ دینے کے لئے اور ہر روایت و افسانے کی تصدیق کے لئے تیار ہو گئی تھیں۔"

(ایضاً صفحہ ۱۷)

مگر یہاں بھی ندوی صاحب نے حضرت اقدسؑ کے مقابلہ میں ان لوگوں میں سے کسی کا نام نہیں جو اس وقت اس ضرورتِ زمانہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ اُن میں سے کس کس کو کیا کیا کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ندوی صاحب نے یہ بھی بتانے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ عوام تو خیر عوام خواص نے آپ کو کیوں قبول کر لیا۔ کیا وہ قرآن و حدیث کے منشاء سے ناواقف تھے؟

ندوی صاحب اس امر کو بھی پی گئے کہ حضرت اقدسؑ کا دعویٰ سُنتے ہی اکثر علماء نے آپ پر کفر کے فتوے لگا دیئے تھے۔ آپؑ کو واجب القتل ٹھہرایا تھا۔ مسلمانوں نے ہر طرح آپؑ کا بائیکاٹ کیا۔ آپؑ پر مقدمات چلائے گئے تا آپؑ کو ناکام کر دیا جائے۔ نہ عوام متوجہ ہوئے، نہ مکفر علماء نے آپ کا ساتھ دیا۔ ندوی صاحب اصل حقیقت پر پردہ ڈال کر یہ سجھاؤ دینا چاہتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ بغیر کسی شدید مخالفت و مقابلہ کے کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ اوّل المکفرین مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے سارے ہندوستان کا دَورہ کر کے علماء و عوام کو بھڑکایا اور دو سَو علماء سے فتوے تکفیر حاصل کر کے شائع کیا اور سارے ہندوستان میں آپؑ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑکا دی۔

خیر اتنا بھی غنیمت ہے کہ ندوی صاحب نے دبی زبان سے حضرت اقدسؑ کی کامیابی کا اعتراف کر لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"اپنی دعوت اور اپنے حوصلوں اور بلند ارادوں کی تکمیل کے لئے مناسب زمانہ اور مناسب جگہ ملی۔ طبیعتوں کی عام بے چینی عوام کی عجائب پرستی، معتدل ذرائع، اصلاح و انقلاب سے مایوسی، علماء کے وقار و اعتماد کا زوال و تنزل، مذہبی بحثوں کی گرم بازاری اور اس کے نتیجہ میں عامیانہ ذوقِ جستجو اور طبیعتوں کی آزادی ہر چیز ان کے لئے معاون اور سازگار ثابت ہوئی۔"

(ایضاً صفحہ ۱۸-۱۹)

اس عبارت میں انہوں نے علماء و عوام کے خلاف آپ کی کامیابی کا برملا اعتراف کیا ہے۔ مگر وہ اس کامیابی کو تائید الٰہی کی بجائے اِدھر اُدھر کے مزعومہ ڈھکوسلوں کا نتیجہ بتا رہے ہیں۔ جو سو فیصدی خلافِ واقعہ ہے۔ کیونکہ عوام و علماء کی مخالفت کی طرح عیسائی حکومت خونی مہدی کے تصوّر کی وجہ سے درپردہ حضورؑ کی مخالف تھی۔ اور آپؑ کی ہر وقت نگرانی کرتی تھی۔ ایسے مخالف حالات میں آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پا کر تحدّی کے ساتھ اعلان فرما دیا تھا۔ کہ اگرچہ دنیا مجھے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں مگر خدا تعالیٰ میری مقبولیت کے لئے غیر معمولی سامان پیدا کرے گا۔ اور مجھے ہر طرح کامیاب و کامران کرے گا۔ مخالف و معاند ذلیل و خوار اور ناکام و نامراد رہیں گے۔ اور یہ سلسلہ بڑے زور سے پھیلے گا۔ یہاں تک کہ وہ ساری زمین پر محیط ہو جائے گا۔ اور کوئی نہیں جو اُسے روک سکے نیز الہام نے یہ بتایا تھا کہ:-

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُسے قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچّائی ظاہر کر دے گا۔"

چنانچہ پہاڑوں جیسی مخالف شخصیتیں بُری طرح ناکام ہوئیں اور خدا تعالیٰ نے آپؑ کو کامیاب کیا۔

ندوی صاحب کو یہ خیال نہیں رہا کہ اگر کامیابی کے وہی ذرائع ہیں جو انہوں نے بیان کئے ہیں تو معاندینِ اسلام عیسائی اور آریہ بھی یہی امور پیش کر کے آنحضرت صلعم کی صداقت و کامیابی کو مشتبہ کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی کامیابی کے ذرائع حقیقی نہ تھے بلکہ حالات و تضاداتِ زمانہ نے ان کو آگے بڑھنے کا موقع مہیا کر دیا تھا۔ ورنہ تائید الٰہی آپؐ کے ساتھ نہ تھی۔ چنانچہ عیسائی اسلام کی کامیابی کا ایک بڑا ذریعہ یہی بتلاتے ہیں کہ عرب اور دیگر آس پاس کے ممالک کے زوال اور خانہ جنگیوں اور انتشار کی وجہ سے آپ کامیاب ہو گئے۔ ایرانی حکومت اور رومن امپائر میں زوال آ چکا تھا اور وہ کمزور ہو چکی تھیں۔ مسلمانوں نے اُن پر حملہ کر کے ان کو زیر کر لیا۔ یہ کوئی بہادری نہ تھی۔ حالات سازگار تھے۔ لوگ اس وقت کے نظاموں و خرابیوں سے بیزار ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے اِسلامی تحریک کو ایک نئی تحریک دیکھ کر اپنا لیا۔

ندوی صاحب کو اپنی تاریخ دانی پر بڑا ناز ہے۔ مگر وہ مخالفینِ اسلام کے حربوں سے ناواقف ہیں اور اپنی نادانی سے اپنے پاؤں پر آپ ہی کلہاڑی چلا رہے ہیں۔ اور معاندینِ اسلام کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ ہے اُن کی تاریخ دانی کی لن ترانی کی حقیقت۔

اِسی طرح ندوی صاحب حضرت اقدسؑ کی کامیابی کی ایک اور من گھڑت وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"دوسری طرف حکومتِ وقت نے (جو مجاہدینِ تحریک سے زک اٹھا چکی تھی اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد اور جوشِ مذہبی سے پریشان و ہراساں رہتی تھی) اس تحریک کا خیر مقدم کیا۔ جس نے حکومتِ برطانیہ کے ساتھ وفاداری اور اخلاص کو اپنے بنیادی عقائدُ اور مقاصد میں شامل کیا تھا اور جس کے بانی کا حکومت کے ساتھ قدیم اور غیر مشتبہ تعلق تھا۔ اِن تمام عناصر و اسباب نے مل کر وہ مناسب و معاون ماحول فراہم کیا جس میں یہ تحریک وجود میں آئی اور اس نے اپنے پیرو اور ہمخیال پیدا کر لئے۔ اور ایک مستقل فرقہ کی بنیاد پڑ گئی۔"

(ایضاً صفحہ ۱۸-۱۹)

ندوی صاحب کی تاریخ دانی کا ہم کیا علاج کریں۔ انہوں نے اس جگہ بھی سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ انہوں نے ناکام مجاہدین کی تحریک کے بارے میں خلافِ واقعہ یہ کہہ دیا ہے کہ حکومتِ وقت اس سے زک اُٹھا چکی تھی۔ اور کسی مددگار تحریک کی محتاج تھی۔

دوم — انہوں نے مسلمانوں کے جھوٹے جذبہُ جہاد کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اگر مسلمانوں میں سچ مچ ایسا ہی مزعومہ جذبہُ جہاد ہوتا تو وہ انگریز کو اس وقت کان سے پکڑ کر ملک بدر کر سکتے اس کا ثبوت بہم پہنچاتے مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ ندوی صاحب ان کے جذبہُ جہاد کی بڑی تعریف کر رہے اور اس پر بغلیں بجا رہے ہیں اور تحریکِ احمدیّت کی وقتی مخالفتِ جہاد بالسیف پر تو بڑے پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ مگر اس وقت کے مسلمانوں کے جہاد کا کوئی عملی ثبوت پیش نہیں کیا۔ وہ تو اغیار سے ماریں ہی کھاتے رہے۔ سکھوں کے قلیل گروہ کے سامنے بُری طرح شکست کھائی۔

حکومت کی اطاعت اور اس سے تعاون کے بارے میں ہم ندوی صاحب سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسے قرآنِ کریم اور احادیث سے ثابت کیا ہوتا۔ کیا حضرت مسیح ناصری علیہ السلام رومی حکومت کے تحت نہ تھے؟ اور وہ اس کے قانونِ ملکی اور دستور کے پابند نہ تھے؟ کیا رومی حکومت نے ان کا مذہب اختیار کر لیا ہوا تھا؟ اگر نہیں تو حضرت مسیح نے بجائے اطاعت و تعاون کے اس سے مزعومہ جہاد کیوں نہ کیا؟ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے مصری حکومت کا جوا اپنی گردن پر کیوں اٹھایا۔ اور اس کے خلاف جہاد کر کے کیوں نہ دکھایا؟

ندوی صاحب کا مذکورہ عبارتوں میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حکومتِ وقت کی طرف سے مرزا صاحب اور ان کی جماعت سے خاص مراعات روا رکھی گئی تھیں۔ مگر انہوں نے اُن کا نام نہیں لیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حکومتِ وقت کی طرف سے حضورؑ اور آپؑ کی جماعت سے کوئی ایسا امتیازی سلوک نہیں کیا گیا۔ جس سے باقی ساری رعایا محروم رہی ہو۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ حضورؑ نے حکومت کے پیدا کردہ امن سے پوری طرح فائدہ اُٹھایا۔ اور اسلام کی طرف سے نہ صرف کامل دفاع کیا اور اسلام کی حفاظت عیسائیوں اور آریوں اور دہریوں کے حملوں سے کر کے دکھائی بلکہ اس کے محاسن و فضائل و امتیازات کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کیا اور اسے دیگر ادیان پر عقلی و روحانی دلائل کے ذریعہ سے غالب کر دکھایا۔ اگر آپ حکومتِ وقت کی اطاعت نہ کرتے تو یہ بے نظیر کام کبھی آپ سرانجام نہ دے سکتے۔ بلکہ دیگر "پان اسلام" ازم کے لیڈروں کی طرح ناکام رہتے۔ اور جیل میں زندگی گزارتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے شدید ملکی بدامنی کے وقت یہاں ایسی حکومت کو جگہ دے دی جس نے پُورے ملک میں امن قائم کر کے لوگوں کو مطمئن کر دیا اور مذہبی آزادی دے کر اسلام کے پنپنے کے راستہ کو ہموار کر دیا۔ اس احسانِ عظیم پر اللہ تعالیٰ اور حکومتِ وقت کا شکر بجا لانا ضروری تھا۔ اور عملی شکر یہی تھا کہ اس کی اطاعت کر کے اس سے تعاون کیا جاتا

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ.

کو عمداً مولوی صاحب نے پسِ پشت ڈال دیا ہے جناب مولوی صاحب کو اس پر ضرور غور کرنا چاہیئے!

درخواستِ دُعا

خاکسار اِن دنوں چند مشکلات سے دوچار ہے نیز بڑی بچی بیمار رہی ہے۔ کامل شفایابی کے لئے درخواستِ دُعا ہے۔ علاوہ ازیں خاکسار کا منجھلا بچہ کالج میں پڑھ رہا ہے۔ اس کی نمایاں کامیابی اور دیگر بچوں کی دین و دنیا میں ترقی کے لئے جملہ احبابِ جماعت و بزرگانِ سلسلہ سے دُعا کی درخواست ہے۔

خاکسار: محمد عبداللطیف۔ اُدگکور (آندھرا)

اُذْكُرُوْا مَوْتَاكُمْ بِالْخَيْرِ

میرے عزیز دوست برادرم سیٹھ رشید احمد صاحب حیدرآبادی مرحوم

(از مکرم چوہدری فیض احمد صاحب ناظر بیت المال آمد قادیان)

حیدرآباد کی مخلص اور قابلِ قدر جماعت میں یوں تو ایک سے ایک دیندار، سلسلہ کا درد رکھنے والے اور اپنے دلوں میں قربانی کا اعلیٰ جذبہ رکھنے والے دوست موجود ہیں اور اپنے اپنے رنگ میں سبھی موردِ محبت ہیں لیکن وہ شخص جو اپنوں اور بیگانوں میں یکساں طور پر مقبول ہونے کے باعث ایک منفرد حیثیت رکھتا تھا اور جس کی شیریں بیانی اور کشادہ جبیں نے اپنے لئے ایک امتیازی مقام پیدا کر رکھا تھا وہ صرف سیٹھ رشید احمد مرحوم ہی تھا۔ مرحوم چنتہ کنٹہ (آندھرا) کے ایک مخلص احمدی بزرگ محترم سیٹھ محمد حسین صاحب مرحوم کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے۔ اور محترم حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب احمدی رضی اللہ عنہ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ساکن یادگیر کے سب سے چھوٹے داماد تھے۔ افسوس کہ قضا کے زبردست اور بے نیاز ہاتھ نے انہیں ۵ر اکتوبر کو ہم سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ خوش آئند تصوّر بھی چھن گیا جو قادیان سے حیدرآباد کے سفر کے لئے نکلتے وقت میں اپنے دماغ میں بسائے ہوتا تھا۔ کہ حیدرآباد میں سیٹھ رشید احمد صاحب سے ملاقات ہوگی اور فلاں علمی یا ادبی موضوع پر گفتگو رہے گی۔

مرحوم رشید صاحب کی ذاتی لائبریری گو مختصر تھی لیکن سلسلہ عالیہ کی کتب کے علاوہ علمی، ادبی اور تاریخی کتب کا ایک قیمتی ذخیرہ تھا۔ میں جب بھی حیدرآباد جاتا اپنی بیٹھک میں لائبریری کی الماری کے پٹ کھول دیتے۔ اور میں ان نادر کتب سے استفادہ کرتا۔ بعض مسلمان شہنشاہوں کے قلمی فرامین بڑے شوق سے دکھایا کرتے۔ اور ساتھ فخر کا اظہار کرتے کہ یہ قلمی فرامین اُن کے پاس ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا علمی ذخیرہ ان کے لئے سرمایۂ فخر تھا۔ ان کتب کے مطالعہ نے ان کے اندر علمی ذوق پیدا کیا تھا۔ اور ذہنی جلا عطا کی تھی۔

ایک مرتبہ رات کے وقت وہ مجھے اپنی کار میں ساتھ لے ایک گمنام سے گوشے میں پہنچے۔ ایک خانقاہ نما قبہ سا تھا مجھے تعجب ہوا کہ رشید صاحب مجھے کہاں لے آئے ہیں۔ میرے تعجب کو بھانپ کر کہنے لگے، آیئے آج آپ کی علمی و ادبی ضیافت کی جائے۔ ہم اس تنگ سے قبے میں داخل ہوئے۔ تو ایک معمر منحنی سے درویش نما انسان نے استقبال کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ رشید صاحب کے اُن سے گہرے مراسم ہیں۔ اس قبے کے اندر چاروں طرف الماریوں میں چھت تک کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ جن میں سے اکثر کتب قلمی تھیں۔ اور مغل شہنشاہوں کے زمانہ کی تھیں۔ ایک کے بعد ایک کتاب میرے سامنے آتی گئی۔ اور میں کتابوں کی نُدرت کے ساتھ ہی اسلام کی عظمتِ رفتہ کے دردناک تصوّر میں کھو گیا۔ اس علمی ضیافت میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ وقت دبے پاؤں رات کے بارہ بجے تک پہنچ گیا ہے۔

رشید صاحب مرحوم نے واپسی پر بڑے حسرت بھرے لہجے میں مجھے بتایا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ یہ لائبریری خرید لوں۔ لیکن مالک ایک ایک کتاب کے سینکڑوں روپے مانگتا ہے۔ اور میں ابھی ادا کرنے کے قابل نہیں۔ اس سے میرے دل میں رشید صاحب کی قدر اور بھی بڑھ گئی۔ اتنا بلند پایہ علمی ذوق قدر افزا نہ ہوتا تو کیا ہوتا!

چندہ جات کی وصولی کے سلسلہ میں بارہا رشید صاحب مرحوم کی کار میں انہیں ساتھ لے کر احبابِ جماعت کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ اور میں نے نوٹ کیا کہ رشید صاحب مرحوم یہاں کے ہر دل کو عزیز ہیں۔ گفتار میں نرمی اور شیرینی ایک ایسا تیز اور کارگر ہتھیار ہے جس سے قلوب کے قلعے فتح کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں ان کی جزوِ زبان تھیں۔ میں نے انہیں اپنے کارخانہ میں اپنے ادنیٰ ملازم کے ساتھ بھی گفتگو کرتے دیکھا۔ بڑی ملاطفت، اور حلیمی سے مخاطب کرتے تھے۔

رشید صاحب مرحوم سالہا سال سے حیدرآباد کی مجلسِ عاملہ کے رکن تھے۔ اور حیدرآباد کے دوست یک زبان ہو کر یہ اقرار کرتے سنے گئے کہ وہ اپنے فرائض بہت عمدگی سے ادا کرتے تھے۔ خدام کی میٹنگوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے۔ تقریر کا ملکہ نہ تھا لیکن سادہ سے الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کرتے۔ نمازوں اور اجتماعات میں اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے۔ پھر یہ مرحوم کی صحبت و تربیت کا اثر ہے۔ یا ایک نسلی اور خاندانی کردار کہ مرحوم کی اہلیہ محترمہ امۃ المنیر صاحبہ بھی لجنہ اماء اللہ حیدرآباد کی عہدیدار ہونے کی حیثیت سے بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔

مرحوم بیڑی کے تاجر تھے۔ اور دو سال قبل تک کاروبار معمولی پیمانہ پر چل رہا تھا۔ لیکن گزشتہ دو سال سے کاروبار میں بہت وسعت ہو چکی تھی۔ وہ ملے پلی کے محلہ میں ایک بہت ہی مختصر سے مکان میں رہتے تھے۔ لیکن اب کاروبار کی وسعت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک نیا اور اچھا کشادہ مکان قریباً سوا لاکھ روپے میں خریدنے کی توفیق بخشی تھی۔ اس مکان کے سابقہ کرایہ داروں میں سے اکثر کا تخلیہ ہو چکا تھا۔ اور ایک کرایہ دار باقی تھے جو جلد تخلیہ کرنے والے تھے۔ اور مرحوم ۶ر اکتوبر کو بروز جمعہ اس نئے مکان میں منتقل ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔

اس اثناء میں وہ کاروباری سلسلہ میں باہر گئے۔ اور کام کی تکمیل کے بعد ۴ر اکتوبر کی شام کو حیدرآباد واپس آ رہے۔ حیدرآباد واپس پہنچ کر ۶ر کو نئے مکان میں منتقل ہونے کی مسرت دل میں لئے جب وہ حیدرآباد سے ۱۰۰ میل پر کریم نگر کے قریب پہنچے تو جیپ کا زبردست حادثہ رات کے آٹھ بجے ہوا۔ کریم نگر کے ہسپتال میں ۲۷ گھنٹے زندگی اور موت کی کشمکش میں گزارے اور ۵/۶ اکتوبر کی درمیانی رات پونے بارہ بجے اپنے مالکِ حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔ اور ۶ر اکتوبر کو جمعہ کے روز ان کی نقلِ مکانی تو ہوئی لیکن اس خوبصورت خرید کردہ نئے مکان میں نہیں بلکہ وہاں، جہاں سے آج تک کوئی واپس نہیں آیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

حادثہ کی اطلاع ملنے پر خاکسار محترم برادرم سیٹھ محمد الیاس صاحب کے ہمراہ کریم نگر ہسپتال رات کے ۲½ بجے پہنچا تو بے ہوشی طاری تھی۔ چہرے پر زخموں کے نشانات اور سوزش تھی۔ ہسپتال والوں نے بتایا کہ حادثہ کے بعد سے اب تک ایک بار بھی آنکھ نہیں کھولی۔ الیاس صاحب تو شدّتِ الم سے قریب جا کر نہ دیکھ سکے۔ میں نے ہمّت کی اور سر کے قریب کھڑا ہو گیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا کیفیت تھی جو اس وقت مرحوم پر وارد ہوئی۔ جونہی میں سر پر جھکا مرحوم نے ایک لحظہ کے لئے چشمکِ برق کی طرح آنکھیں کھولیں۔ اور پھر بند کر لیں۔ اور ساتھ ہی مرحوم نے اسی بیہوشی کے عالم میں کہا:

"حساب کر کے چلنا چاہیئے تھا"

میں سمجھتا ہوں کہ یہ مرحوم کا تحت الشعور بول رہا تھا۔ اور مرحوم حساب کتاب کے مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔ اور میرے ذوق کے مطابق مرحوم کا ۲۷ گھنٹوں کی متواتر بے ہوشی میں صرف ایک لحظہ کے لئے آنکھیں کھولنا اس وقت جبکہ میں سر پر جھکا ہوا تھا اس لئے تھا کہ ایک دوست ڈیڑھ دو ہزار میل دور سے اشتیاقِ ملاقات لئے آیا ہے۔ اس سے آنکھیں تو چار کر لی جائیں۔

حادثے تو دنیا میں ہوتے ہی ہیں اور لوگ مر بھی جاتے ہیں۔ لیکن یہ حادثہ اپنی نوعیت میں بڑا ہی دردناک تھا۔ ڈاکٹروں نے ایکسرے کے بعد بتایا کہ مرحوم کے جسم کی ایک بھی ہڈی سلامت نہیں۔ اور کھوپڑی بھی چور چور ہو چکی ہے اور مرحوم ۲۷ گھنٹے بھی صرف اس لئے زندہ رہ سکا کہ وہ نوجوان اور بہت عمدہ صحت کا مالک تھا۔ ورنہ جائے حادثہ پر ہی موت واقع ہو جاتی۔

رات آٹھ بجے کے قریب جب کریم نگر سے مرحوم کی نعش حیدرآباد پہنچی تو ہزاروں چشمہائے گریاں نے اس کا استقبال کیا۔ احمدی بھائی تو تھے ہی لیکن غیر احمدی دوستوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی جس سے مرحوم کے حلقۂ احباب کا اندازہ ہوتا تھا۔ نمازِ جنازہ مرحوم کے بڑے بھائی محترم سیٹھ محمد معین الدین صاحب امیر جماعت حیدرآباد نے پڑھائی۔ اور رات کے گیارہ بجے مرحوم کو اُن کے دوسرے بڑے بھائی محترم سیٹھ محمد اسماعیل صاحب کے باغ میں امانتاً دفن کر دیا گیا۔ بڑا ہی غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا ماحول تھا۔ زبانیں دُعا و درود خاموشی سے پڑھ رہی تھیں لیکن ماحول کہہ رہا تھا کہ ؎

کس کی میّت کو دبا کر چل دیئے بیرا قربا
دیکھنے والے کلیجے کو دبا کر رہ گئے

اور یوں ہم ایک شگفتہ دل، کشادہ رُو بھائی کو خدا کے سپرد کر آئے۔ جو مقامی جماعت کے ہر فرد کو عزیز تھا اور جماعتی کاموں اور چندوں میں نمایاں حصّہ لینے والا تھا۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے گہری محبت اور نظامِ خلافت سے دلی عقیدت رکھتا تھا۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام بخشے۔

یہ صدمہ مرحوم کے خاندان کے لئے اور مرحوم کی بیوہ اور بچّوں کے لئے بہت ہی جانکاہ ہے۔ مرحوم کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے اور مرحوم کی بیوہ اور بچّوں پر اپنے فضل اور رحمت کا سایہ رکھے۔

اَللّٰهُمَّ اٰمِيْن۔

منقولات

مغربی قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں؟

پوری مسلمان قوم پر کیوں زوال طاری ہے؟

ذیل میں شاہ معین الدین احمد ندوی مدیر "معارف" اعظم گڑھ کے فاضلانہ مضمون کی ابتدائی قسط درج کی جا رہی ہے۔ فاضل مضمون نگار نے بہت سے مفید امور کی نشاندہی کی ہے۔ اس سلسلہ میں اسی اشاعت میں ہمارا نقطۂ نظر دوسری جگہ ملاحظہ ہو ——— (ایڈیٹر بدر)

مسلمانوں کے اعمال و کردار اور ان کے زوال و پستی اور ان کے مقابلہ میں مغربی قوموں کی ترقی کو دیکھ کر اکثر دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام موجودہ دَور کے مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی اور اُن کی ضروریات کی کفالت سے قاصر ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پوری مسلمان قوم پر کیوں زوال طاری ہے؟ اور وہ ہر شعبۂ زندگی میں انحطاط میں کیوں مبتلا ہے اور مغربی قوموں کی ترقی روز افزوں ہے۔ اس لئے ان کا نظامِ حیات ہی قابلِ تقلید ہے۔

بظاہر یہ خیال باوزن ہے لیکن صحیح نتیجہ پر پہونچنے کے لئے اس کے تجزیہ کی ضرورت ہے۔ ہر نظامِ حیات کا ایک مقصد اور نصب العین ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق اس کی ترتیب عمل میں آتی ہے۔ اور اس مقصد کے حصُول کے لئے اس کے سارے یا کم از کم اہم اجزاء پر عمل ضروری ہے۔ ورنہ اس سے مطلوب نتائج برآمد نہ ہوں گے۔ اس کی مثال مشین کی جیسی ہے، جس کے سارے پُرزے ایک دُوسرے سے مربُوط ہوتے ہیں۔ اور مشین اسی وقت کام دے سکتی ہے جب یہ سب پُرزے اپنی جگہ پر ٹھیک چل رہے ہوں۔ ورنہ پُوری مشین معطّل ہو جائے گی۔ اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کا عمل اسلامی تعلیمات پر کہاں تک ہے۔ دوسرا بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا مغربی تہذیب سراسر خیر ہے، اور وہی انسانی تہذیب و ترقی کا اصلی معیار ہے۔ اور اس کے سارے عناصر قابلِ تقلید ہیں۔

اسلام مستقل ایک نظامِ حیات ہے۔ وہ دنیا کے کسی نظام کا مقلّد نہیں۔ اسکے ظہور کے وقت دنیا میں دو بڑی پُرشوکت اور متمدّن سلطنتیں ایران و روم کی موجود تھیں، جن کی حکومت مشرق و مغرب کے بڑے حصّہ میں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ تہذیبی حیثیت سے ایک اعلیٰ تمدّن کی مالک تھیں۔ اس زمانہ میں ان کی وہی حیثیت تھی جو آج مغربی قوموں اور ان کی تہذیب کی ہے۔ لیکن اسلام نے ان میں سے کسی کی تقلید نہیں کی۔ اور اپنا مستقل نظامِ حیات بنایا جو ان نظاموں سے نہ صرف مختلف بلکہ ان کی ضد اور ان کے لئے پیامِ موت تھا۔ اس کے عقائد و تصورات، زندگی کا نصب العین، نظامِ معاشرت ہر چیز ان نظاموں سے مختلف تھی۔ اس نے ہر قسم کے شرک کی مخالفت کی۔ اور ملّتِ اسلامیّہ کی بنیاد شرک اوہام پرستی کے بجائے توحید، غیر اللہ سے بے خوفی، نسلی اور جغرافی قومیت اور وطنیت کے بجائے عالمگیر اسلامی اتحاد، انسانی غلامی اور طبقاتی تقسیم کے بجائے آزادی اور عدل و مساوات، نسلی برتری کے بجائے عملِ صالح پر رکھی۔ اس طرح اس نے اس دَور کے سارے بتوں کو توڑ دیا۔

اس نے قومی سربلندی اور مادی ترقی کے بجائے خداشناسی، معرفتِ حق، زوائلِ اخلاق کے ترک اور فضائلِ اخلاق سے آراستگی، نیکی اور بھلائی کی تبلیغ اور بدی اور بُرائی کے ترک کو اس نظامِ حیات کا مقصد قرار دیا۔ کلامِ پاک کی آیات ان احکام و ہدایات سے معمور ہیں، مسلمانوں کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ
وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا
عَنِ الْمُنْکَرِ (حج)

(یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز پڑھیں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے)

دُوسری آیت میں ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔

(تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کی راہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔)

یہ وصف کسی آیت میں بیان نہیں کیا گیا ہے کہ اُن کا نصب العین دُنیاوی اور مادی ترقی ہے۔ لیکن اسلام نے ان میں جو رُوح پیدا کر دی تھی اور جو نظامِ حیات بنایا تھا اس پر عمل کا لازمی نتیجہ دنیاوی شوکت و عظمت ہے۔ خود قرآن مجید کا وعدہ ہے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اگر تم سچے مسلمان ہو تو تم کو ہر طرح کی سربلندی حاصل ہوگی۔)

دوسری آیت میں ہے

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو روئے زمین کی حکومت ضرور دے گا۔ جس طرح تمہارے پہلے کے لوگوں کو دی تھی۔ اور جس دین کو اُن کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے جما کر رہے گا۔ اور خوف کے بعد اُن کو امن دے گا۔"

یعنی دین و دنیا دونوں کی بھلائی، ایمان اور عملِ صالح پر منحصر ہے۔ جب تک مسلمانوں میں یہ وصف رہا، خدا کا وعدہ پُورا ہوا۔ اسلام نے ان میں ایسی رُوح اور خدا کی راہ میں جانبازی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے اس دَور کی سب سے بڑی ایران و روم کی حکومتوں کا تختہ الٹ دیا اور ان کے ملک کے وارث بنے۔

یہ محض خوش عقیدگی نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔ اسلام دین و دنیا کا جامع ہے۔ اس کی دعا ہی یہ ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً۔ حدیث میں ہے کہ "دنیا کا کام اس انہماک سے کرو کہ تم کو ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور دین کا کام اس انہماک سے کرو کہ کل ہی مرجانا ہے"۔ اسلام محکومیت کے لئے آیا ہی نہیں۔ اس لئے اس میں محکومی کی زندگی کے قوانین ہی نہیں ہیں۔ اس کا مقصد دنیا میں خدائی قانون کا نفاذ ہے۔ چنانچہ جیسے ہی اس میں طاقت آئی، اس نے حکومتِ الٰہیّہ کی بنیاد رکھ دی۔ اس لئے اس نے مذہبی تعلیمات کے ساتھ ان اصُول و قوانین کی تعلیم بھی دی ہے، جن پر قوموں اور ملّتوں کی موت و حیات اور ترقّی و تنزّل کا دار و مدار ہے۔

چنانچہ کلامِ مجید میں جس طرح عقائد و عبادات وغیرہ کی تعلیم ہے اسی طرح اسلامی نصب العین پر اعتقادِ جازم، اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد و توکّل، اس کے سوا ہر طاقت سے بے خوفی، اسلامی وحدت و اخوّت، عدل و مساوات، انفاق فی سبیل اللہ، جہاد یعنی دین و ملّت کی راہ میں ہر قسم کی جد و جہد اور جانی و مالی قربانی، مادی طاقت کے حصُول اور ان ساری چیزوں کی تعلیم اور ان پر عمل کی تاکید ہے، جو اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لئے ضروری ہیں۔ یہ اصُول مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو قوم بھی اس پر عمل کرے گی وہ دنیا میں کامیاب و سربلند ہوگی۔ فرق یہ ہے کہ قرآن مجید نے ان اصولوں کو مذہبی زبان میں ادا کیا ہے۔ مسلمانوں کا مقصد دین و دنیا دونوں کی سربلندی ہے، اور دوسری قوموں کا مقصد صرف مادی ترقی اور قومی سربلندی ہے۔

(روزنامہ الجمعیّۃ دہلی مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۲ء)

لازمی چندوں کا تارک

یقیناً خدا تعالیٰ کے حضُور جوابدِہ ہوگا!!

ہر جماعت کے ہر فرد کو یہ عزم کر لینا چاہیئے کہ ۳۰ اپریل ۱۹۷۳ء تک بجٹ کو پُورا کرنا ہے۔ یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ چندۂ عام۔ حصّہ آمد۔ جلسہ سالانہ۔ جماعتی طور پر لازمی اور ضروری چندے ہیں۔ اور سب سے مقدم ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے خود رکھی ہے۔ اور ان کی باقاعدگی کے لئے تاکید کرتے ہوئے حضُور نے یہاں تک فرمایا ہے کہ:-

"جو شخص تین ماہ تک چندہ ادا نہ کرے گا اس کا نام سلسلۂ بیعت سے کاٹ دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد کوئی مغرور اور لاپرواہ جو انصار میں داخل نہیں اس سلسلہ میں ہرگز نہ رہ سکے گا"۔

اس لئے عہدیداران و سیکرٹریان مال اور مبلغین کرام کو خاص توجّہ دینے کی ضرورت ہے۔ امید ہے اس مالی قربانی کی اہمیت اور سلسلہ کی ضروریات کو احبابِ جماعت کے سامنے مؤثر رنگ میں پیش کرکے اپنے ذمّہ بقایا جات کی ادائیگی کے لئے توجّہ فرمائیں گے۔

بس خوش قسمت ہیں وہ احباب جو دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے خدا کے دین کے لئے وعدوں کو پُورا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق بخشے آمین ⁂

ناظر بیت المال آمد قادیان

امریکن پروفیسر جناب ڈاکٹر سپنسر لیون کی قادیان میں آمد

بقیہ صفحہ اوّل

رقوم بنکوں میں تھیں وہ بھی Freeze ہو گئی تھیں۔ اور دو سال کے مقدمہ کے بعد وہ رقوم Release ہوئیں۔ اسی طرح موجودہ احمدیہ ایریا کے متعلق بتایا گیا کہ اس محلہ کی جو جائدادیں Evacuee قرار دے دی گئی تھیں، آنجہانی پنڈت نہرو سے احمدیہ وفد کی ملاقات کے بعد سوا دو لاکھ روپیہ میں گورنمنٹ نے صدر انجمن احمدیہ کے ہاتھ ایک ریزرو قیمت پر فروخت کر دیں۔

انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ جماعت احمدیہ کے جو لوگ بمجبوری حالات پاکستان چلے گئے تھے وہاں انہوں نے قادیان کی متروکہ جائدادوں کے بدلہ میں کوئی جائداد حاصل کرنے کے لئے کلیم نہیں کیا تھا۔ کیونکہ جماعتی ہدایت یہی تھی۔ اور قادیان کے تقدس کا بھی یہی تقاضا تھا۔ اور پاکستان میں جماعت نے ربوہ کی زمین خرید کر وہاں ربوہ کا شہر خود آباد کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جماعت کی اس قربانی اور علوّ ہمتی کا بہت اثر لیا۔ اور بتایا کہ وہ ربوہ کو دیکھ کر یہاں آئے ہیں۔ اور یہ اثر لے کر آئے ہیں کہ اس ملک میں سرکاری سطح پر تو کام کی رفتار سست ہے البتہ جماعت احمدیہ نے اپنی غیر معمولی ہمت کا مظاہرہ کیا ہے اور ایک وسیع و عریض بستی کی تعمیر کے ساتھ ہی وہاں تعلیمی اور تبلیغی ادارے قائم کئے ہیں۔ اور یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔

ہمارے دریافت کرنے پر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ ربوہ میں صرف ایک دن قیام کر سکے۔ اور ایک گھنٹہ کے قریب حضرت امام جماعت احمدیہ سے بھی ملاقات کی۔ یہ دن بہت مصروف گزرا۔ اور انہیں مختلف ادارے لائبریری اور کالج وغیرہ دیکھنے کا موقعہ ملا آپ نے بتایا کہ ربوہ میں چائے کی ایک تقریب میں بیرونی ممالک کے مبلغین کے ساتھ بھی ان کو گفتگو کا موقعہ ملا۔ بطور خاص انہوں نے غانا (GHANA) کے مبلغ مکرم عبد الوہاب آدم صاحب سے گفتگو کا ذکر کیا۔ جو اب انگلستان بطور مبلغ جا رہے ہیں۔ اسی طرح آپ نے لاہور میں مکرم ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے۔ مکرم کرنل عطاء اللہ صاحب اور مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ریٹائرڈ جج اور بعض دیگر احمدی افراد سے ملاقات کا بھی ذکر کیا۔

اس موقعہ پر ان سے زمانۂ درویشی میں قادیان کے اندر جماعت کی طرف سے از سر نو بعض تعلیمی اداروں کے جاری کرنے کا بھی ذکر کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان ابتداء سے بعد اب تک ہم کس طرح تعلیم الاسلام سکول اور نصرت گرلز سکول کو ہائی سکولوں اور مدرسہ احمدیہ کو مولوی فاضل اور مبلغین کلاس تک توسیع دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسی طرح سلسلہ کی طرف سے شائع کئے جانے والے تبلیغی لٹریچر اور خصوصاً اخبارات بدر۔ ستیہ دودھن۔ منارٹ۔ راہِ امن بزبان تامل کا بھی ذکر کیا گیا۔

ہمارے یہ دریافت کرنے پر کہ وہ جماعت احمدیہ سے کس طرح متعارف ہوئے تھے، ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ انہوں نے جماعت کا کچھ لٹریچر پڑھا تھا اور واشنگٹن میں مکرم سید جواد علی صاحب مبلغ سے ملاقات کر کے تفصیلی معلومات حاصل کی تھیں علاوہ ازیں مکرم خلیل احمد صاحب ناصر (سابق واقف زندگی مبلغ حال پروفیسر امریکہ) نیز مکرم محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے ملاقات کا ذکر کیا۔ اور چوہدری صاحب کی اعلیٰ قابلیت کی تعریف کی

آپ نے بتایا کہ وہ ہندوستان میں بمبئی دہلی۔ لکھنؤ۔ آگرہ۔ آسام وغیرہ گھوم چکے ہیں۔ اور اب امرتسر دیکھنے کے بعد ۱۹/۱۰ کو دہلی سے واپس امریکہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔

احمدیہ ایریا کی جائدادوں کی قیمت ادا کرنے کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے جماعت کی آمد کے ذرائع بھی دریافت کئے۔ اس پر انہیں بھارت کی احمدیہ جماعتوں کی تعداد۔ مبلغین کی تعداد اور مجموعی آمد کا بجٹ بتایا گیا۔ کہ مختلف مدات کی کل آمد سالانہ گیارہ لاکھ روپے کے قریب ہے۔ اور یہ صرف ہندوستان کی جماعتوں سے ہوتی ہے اور مرکز قادیان کا دائرہ کار صرف بھارت تک محدود ہے۔ اور بیرونی ممالک یورپ و ایشیا اور امریکہ کے مشنوں کا تعلق مرکز قادیان سے نہیں ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ حکومت ہند نے ہمیں احمدیہ ایریا کی قیمت سوا دو لاکھ روپیہ پانچ قسطوں میں ادا کرنے کی سہولت دی تھی۔

تقسیم ملک کے بعد کی مشکلات کا بھی ذکر آیا۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء کی پوزیشن اور پھر ۱۹۴۹ء میں پولیس Escort کے ساتھ بٹالہ وغیرہ جانے اور بعض دوسری ابتدائی مشکلات بتائی گئیں۔ اور یہ بھی بتایا گیا کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے موقع پر ہماری بعض پردہ نشین خواتین اور بچوں کو حکام لدھیانہ جیل میں لے گئے تھے۔ کیونکہ وہ پاکستانی پاسپورٹ رکھتے تھے۔ بعد میں مرکزی حکومت کی مداخلت پر واپس قادیان بھجوا دیا گیا۔ اسی طرح ۱۹۷۱ء کی جنگ کے موقع پر احمدیہ ایریا کو احمدیوں سے خالی کروانے کا جو شدید خطرہ پیدا ہوا تھا اس کا ذکر کیا گیا۔

اس پر ڈاکٹر صاحب نے جماعت کے ہر دو مراکز کو وقتاً فوقتاً جس قسم کے ابتلاؤں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا اس کا بھی قدرے تفصیل سے ذکر کیا۔ آپ کے اس تجزیہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ جماعت احمدیہ کے حالات پر بہت گہری نظر رکھتے ہیں۔

جب مہمان کھانا کھا چکے تو ڈاکٹر سپنسر صاحب چند منٹ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کے پاس بیٹھے۔ اور ان کے صحابی ہونے کے باعث ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے حالات و واقعات دریافت کئے۔ حضرت مولانا صاحب نے دس سال کی عمر میں قادیان آنے اور ٹی۔ آئی۔ سکول اور مدرسہ احمدیہ میں تعلیم پانے کے واقعات سنائے۔ اور مقدمہ کرم دین کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ثبات و استقلال اور اللہ تعالے کی نصرت پر غیر معمولی یقین کے واقعات سنائے اور بتایا کہ ایک ہندو مجسٹریٹ جو سخت متعصب تھا اس نے آپ کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر اللہ تعالے نے آپ کی نصرت معجزانہ رنگ میں فرمائی۔

جناب ڈاکٹر سپنسر صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں تراجم کے نسخے بھی دکھائے گئے اور کچھ لٹریچر پیش کیا گیا۔ اس کے بعد آپ قادیان کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے ہمارے ساتھ گئے۔ مسجد اقصٰے کے پرانے حصہ اور توسیع شدہ حصہ کی نشان دہی کی گئی اور پرانے حصہ کی وہ جگہ دکھائی گئی جہاں حضور نے خطبۂ الہامیہ فرمایا تھا۔ جو عربی زبان کا ایک اعجاز ہے اور آپ کا ایک معجزہ ہے۔ اس کے بعد آپ اور تمام مہمان منارۃ المسیح کے اُوپر تشریف لے گئے۔ جہاں سے شہر کے نظارہ کے علاوہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے تعلیم الاسلام کالج وغیرہ اور موجودہ احمدیہ ایریا دکھایا اور ان کے سوالات کے جوابات دیتے ٹہلتے۔ پروفیسر Hutchins صاحب کے ساتھ مکرم سوز صاحب گفتگو کرتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب کو بتایا گیا کہ کالج کی بلڈنگ صدر انجمن احمدیہ کی ملکیت ہے اور تعلیمی ادارہ ہونے کی وجہ سے ہم صرف اس کا حق ملکیت قائم رکھنے کے لئے برائے نام سا کرایہ وصول کرتے ہیں۔

منارۃ المسیح سے اترنے کے بعد مدرسہ احمدیہ کے طلباء کے متعلق بتایا کہ یہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے یہاں آ کر تعلیم پاتے ہیں۔ چنانچہ مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل نے مدرسہ کے بچوں کو بلا کر سامنے کھڑا کیا۔ اور بتایا کہ یہ مستقبل میں ہمارے مبلغین ہوں گے۔

عزیز مظہر احمد طاہر ابن مکرم محمد احمد صاحب نسیم جو دس سال کا بچہ ہے اور قرآن کریم حفظ کر رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ یہ بچہ قریباً نصف قرآن کریم حفظ کر چکا ہے اس بچہ نے سورۂ بقرہ کے کچھ حصہ کی تلاوت بھی کی۔

بڑے دفاتر کے گیٹ پر جہاں حضرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام جلی حروف میں لکھا ہوا ہے کہ

"میں تیری تبلیغ کو زمین
کے کناروں تک
پہنچاؤں گا"

ڈاکٹر صاحب نے سامنے کے حصہ کی تصویر بھی لی۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ عمارت ایک غیر مسلم کی تھی جو جماعت نے خرید لی تھی۔ اور یہ الہام جو بالکل ابتدائی زمانہ میں ہوا تھا خدا کے فضل سے پورا ہو چکا ہے۔ اور روز بروز نمایاں رنگ میں پورا ہو رہا ہے۔

مسجد مبارک اور دار المسیح کے مختلف حصے ڈاکٹر صاحب کو دکھائے گئے۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش کا کمرہ۔ بیت الدعا۔ بیت الفکر۔ دالان حضرت اماں جان رضؓ اور بیت الریاضت بھی دکھایا گیا۔ بیت الریاضت کی تاریخی اہمیت بتائی گئی کہ یہ وہ کمرہ ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی ماہ کے روزے رکھے تھے۔

مسجد مبارک میں سُرخ روشنائی کے چھینٹوں والے کمرہ کو بھی آپ نے دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ انہیں اس واقعہ کا علم ہے۔ مسجد مبارک کی چھوٹی سیڑھیوں سے نیچے اتر کر معزز مہمان کو وہ جگہ بھی دکھائی گئی جہاں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مخالفین نے دیوار کھچوادی تھی اور پھر اس کا مقدمہ سرکاری عدالت میں چلا۔ فیصلہ حضور کے حق میں ہوا۔ عدالت نے مخالفین پر خرچہ ڈالا۔ جسے حضور علیہ السلام نے ازراہِ احسان معاف فرما دیا۔

اس کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے ڈرائنگ روم میں چائے سے مہمانوں کی تواضع کرنے کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کرام کے فوٹو دکھائے۔ اس کے بعد تمام مہمان بہشتی مقبرہ تشریف لے گئے۔

انہیں بہشتی مقبرہ کی چار دیواری کے متعلق بتایا کہ تقسیم ملک کے بعد پہلے تو درویشوں نے وقارِ عمل کے ذریعہ اسے تعمیر کیا تھا۔ اس کے بعد بھارت کی جماعتوں میں تحریک کرکے اسے پختہ تعمیر کروایا گیا۔ راستے میں مولوی بشیر احمد صاحب طاہر آرہے تھے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے بتایا کہ یہ نوجوان پہلے ہندو تھا۔ احمدیت قبول کرکے اس نے عربی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کر لی ہے۔ بہشتی مقبرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اوّل رضؓ کے مزار مبارک دکھائے گئے۔ اور حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب شہیدؓ اور دیگر شہداء کے کتبے بھی دکھائے گئے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ تذکرۃ الشہادتین میں اس کا ذکر ہے۔ اس سے جماعتِ احمدیہ کی تاریخ کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی ژرف نگاہی کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بھی کہ وہ جماعت کے متعلق وسیع معلومات رکھتے ہیں۔

یوں تو خدا کے فضل سے وہ وقت جلد آنے والا ہے جب دنیا کے تمام ممالک کے پروفیسر اور ریسرچ سکالر احمدیت کے بارہ میں تحقیقی مقالے لکھا کریں گے۔ بلکہ دنیا کی ہر یونیورسٹی میں احمدیت کا موضوع شاملِ نصاب ہوگا۔ لیکن اس وقت امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے غالباً یہ پہلے پروفیسر ہیں جنہوں نے اس قدر دلچسپی کے ساتھ جماعت کے حالات کو جاننے کی کوشش کی ہے۔ ان کی معلومات وسیع بھی ہیں اور قابلِ قدر بھی۔ اور حافظہ غضب کا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے خونی مہدی کی آمد کے بارے میں دریافت کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ ہماری جماعت کسی خونی مہدی کی قائل نہیں ہے۔ اور نہ اسے درست سمجھتی ہے۔ بلکہ جس مہدی کی دنیا کو ضرورت تھی وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں آچکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو ایک غلط فہمی بھی تھی جس کا ازالہ کیا گیا۔ آپ سمجھتے تھے کہ شاید جماعتِ احمدیہ حج بیت اللہ شریف کو اہمیت نہیں دیتی۔ انہیں بتایا گیا کہ ہمارے مخالفین محض لوگوں کو اشتعال دلانے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے درجنوں افراد ہر سال حج کرنے بیت اللہ شریف جاتے ہیں۔ اور اسی سال قادیان سے بھی چار آدمی یہ سعادت حاصل کرنے والے ہیں۔ اور قادیان میں اس وقت باوجود تھوڑی سی تعداد ہونے کے نصف درجن سے زیادہ حاجی موجود ہیں۔ اور ہندوستان میں تو کئی درجن ہیں۔ جماعت احمدیہ حج کو اسلام کا ایک رکن تسلیم کرتی ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے اسے باعثِ سعادت یقین کرتی ہے۔

مہمانوں کے واپس جانے سے قبل ان کی خدمت میں مہمان خانہ میں ایک بار پھر چائے پیش کی گئی۔ ہم سب چونکہ روزہ کی وجہ سے کھانے اور چائے میں شریک نہ ہوسکے تھے اس لئے ڈاکٹر صاحب نے ہماری مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور روزے کے احترام کا اظہار کرتے ہوئے خوش ذوقی سے فرمایا کہ

"کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم بھی روزے سے ہوتے"

انہیں بتایا گیا کہ مسافر کے لئے روزہ فرض نہیں ہے۔

رخصت ہونے سے قبل جناب ڈاکٹر سپنسر صاحب نے بڑے خلوص کے ساتھ فرمایا کہ انہیں خوشی ہے کہ ان کی ربوہ اور قادیان کی زیارت کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ اور وہ ایسے الفاظ نہیں پاتے جن سے وہ اپنے تأثر کا اظہار کریں۔ اور جماعت ربوہ اور قادیان کا شکریہ ادا کریں۔ وہ امریکہ واپس پہنچ کر خطوط لکھیں گے۔ اور جماعتِ احمدیہ کے متعلق جو مضمون شائع کروائیں گے اس کی کاپی بھی ارسال کریں گے۔

پروفیسر ویبسٹر صاحب (PROF. JOHN WEBSTOR) جو بٹالہ کالج میں شعبۂ تاریخ کے صدر ہیں انہوں نے بتایا کہ وہ پنجاب میں عیسائیت کے متعلق ایک مقالہ تیار کر رہے ہیں جو دس سال کے عرصہ کے متعلق ہوگا۔ انہوں نے سوال کیا کہ ۱۹۴۷ء کے غیر معمولی خطرناک حالات میں آپ لوگ بچ کس طرح گئے؟ محترم صاحبزادہ صاحب اور مکرم ملک صلاح الدین صاحب نے بیک زبان بے اختیار کہا کہ "اللہ تعالیٰ کے فضل سے"۔ پروفیسر صاحب نے بتایا کہ انہیں خیال آرہا ہے کہ چونکہ عیسائیت اور احمدیت کے درمیان مناظرات ہوتے رہے ہیں اس لئے میرا خیال ہے کہ میں اپنے مقالے میں احمدیت کا بھی ذکر کروں گا۔ آج جو معلومات حاصل ہوئی ہیں یا کتب مجھے ملی ہیں۔ یا آئندہ میں حاصل کروں گا۔ ان کے مطالعہ کے بعد مجھے اپنے مقالہ میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔ مکرم ملک صاحب نے ان سے کہا کہ خواہ آپ مختصراً ہی احمدیت کا ذکر کریں لیکن اس سے قبل احمدیت کا وسیع مطالعہ کریں۔

پروفیسر ویبسٹر صاحب نے محترم صاحبزادہ صاحب کو پیشکش کی کہ ہمارے بیرنگ کالج بٹالہ میں احمدیت کے موضوع پر اردو میں تقریر کریں۔ جسے صاحبزادہ صاحب نے قبول فرمایا۔

ساڑھے پانچ بجے شام تمام مہمان تشکّر و امتنان کا اظہار کرتے ہوئے بذریعہ کار واپس تشریف لے گئے

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پروفیسر ڈاکٹر سپنسر صاحب کو احمدیت کی حقیقت کو بہتر رنگ میں سمجھنے اور عمدہ رنگ میں ترجمانی کی توفیق بخشے اور ان کی رہنمائی کرے۔ آمین ؛

ادائیگی زکوٰۃ

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک مہینہ کی برکات سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے آمین۔ یہ مقدس ایام جہاں عبادت اور نوافل کے لئے خاص اہمیت رکھتے ہیں وہاں اس بابرکت مہینہ میں مالی قربانی۔ صدقہ وخیرات اور ادائیگی چندہ جات کی طرف بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اور جماعت کے صاحب نصاب احباب کثرت سے اس مہینہ میں زکوٰۃ کی رقوم بھی ادا کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ رمضان المبارک میں حضورؐ بے انتہا صدقہ وخیرات دیا کرتے تھے۔ یہاں تک صدقہ وخیرات دینے میں آپ کا ہاتھ تیز ہوا کی طرح چلتا تھا۔ زکوٰۃ اس لئے دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت پیدا ہو۔ ① زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے ② ہر صاحب نصاب پر اس کی ادائیگی فرض ہے۔ ③ کوئی دوسرا چندہ زکوٰۃ کا قائم مقام تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ④ زکوٰۃ مومنوں کے مال کو پاک کرتی ہے ——— حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی رُو سے زکوٰۃ کی تمام رقوم مرکز میں آنی چاہئیں۔ جملہ صاحب نصاب احباب اس مقدس مہینہ میں اپنے ذمہ واجب الادا زکوٰۃ کی ادائیگی کرکے عند اللہ ماجور ہوں ؛

ناظر بیت المال آمد قادیان

یہ مت خیال فرمائیے

کہ آپ کو اپنی کار یا ٹرک کے لئے اپنے شہر سے کوئی پُرزہ نہیں مل سکا تو وہ پُرزہ نایاب ہوچکا ہے آپ فوری طور پر ہمیں لکھیے یا فون یا ٹیلیگرام کے ذریعہ ہم سے رابطہ پیدا کیجئے۔ کار اور ٹرک پٹرول سے چلنے والے ہوں یا ڈیزل سے ہمارے ہاں ہر قسم کے پُرزے دستیاب ہوسکتے ہیں۔

آٹو ٹریڈرز ۱۶ مینگولین کلکتہ ۱

AUTO TRADERS 16 MANGOE LANE CALCUTTA-1

تار کا پتہ "Autocentr" فون نمبرز 23—1652 / 23—5222

آزاد ٹریڈنگ کارپوریشن ۵۸/۱ فیرس لین کلکتہ ۱۲

کروم لیدر اور بہترین کوالٹی ہوائی چپل اور ہوائی شیٹ کیلئے ہم سے رابطہ قائم کریں۔

Azad TRADING CORPORATION, 58/1 PHEARS LANE CALCUTTA -12.